تابوت کا راز

اکرم الہ آبادی

جاسوسی دائرہ سیریز

تابوت کا راز

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

انتساب

جی۔ایس۔عالم کے نام

میرا دوست جوتن کا کالا، مگر من کا اُجلا ہے۔شروع شروع میں مجھے جاسوسی ناول لکھنے پر اسی شخص نے مجبور کیا تھا، ورنہ میں ناؤلسٹ سے زیادہ جرنلسٹ ہوتا۔

اکرم

Akram Allahabadi

تابوت

بادلوں نے آسمان کو ڈھانک رکھا تھا اور رات کی تاریکی اتنی گہری ہوگئی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

تیز بارش کے ساتھ تقریباً ۶۰ میل فی گھنٹے کے حساب سے سرد طوفانی ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے اور بیشتر مضافاتی سڑکیں پانی میں ڈوب گئی تھیں۔ مین روڈ پر اگر دو طرفہ ڈھلوان نہ ہوتی تو شاید اس کا بھی یہی حشر ہوتا، لیکن وہ کولتار کی پختہ سڑک تھی اور اسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ نشیبی علاقوں سے جہاں اس کا گزر ہوا تھا وہ پلوں کے ذریعے اونچی کر دی گئی تھی اور گھاٹیوں کے درمیان اس کا ڈھلوان اس طرح قائم کیا گیا تھا کہ کیسا ہی تیز پانی کیوں نہ ہو، بہہ کر دائیں بائیں نشیب میں جا گرے۔

ٹرک ڈرائیور کو بڑی مشکل پیش آ رہی تھی۔ سرد ہوا سے بچنے کیلیے اس نے اپنے کوٹ کے کالر کھول کر گردن سے لپٹا لیے تھے اور کانوں کو ڈھانکنے کیلیے اپنا رومال باندھ لیا تھا۔ اس کے پاس والی نشست پر ایک موٹا سا آدمی بیٹھا تھا، جس کے بدن پر کشمیرے کا اوورکوٹ طوفانی ہوا کی سردی سے بچنے کیلیے کافی تھا۔

ونڈ اسکرین پر موسلا دھار پانی کے تقاطر سے سامنے کا منظر بار بار دھندلا ہو جاتا اور اس کے باوجود کہ وہ وائپر ونڈ اسکرین پر نصف دائرے کی شکل میں ڈرائیور کے سامنے کا شیشہ صاف رکھنے کی کوشش کر رہا تھا، پانی سمٹتا اور پھر پھیل جاتا۔ سڑک کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سڑک پر پانی کی بوچھاڑ اس طرح پڑتی نظر آ رہی تھی جیسے دور تک باریک باریک پٹاخے پھوٹ رہے ہوں اور روشنی میں بھی صرف تھوڑی دور تک کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ اس کے آگے برستے پانی کی چادر اتنی گہری ہو جاتی کہ آگے کچھ دکھائی نہ دیتا۔

Akram Allahabadi

''گاڑی اور تیز چلانے کی کوشش کرو۔''ڈرائیور کے پاس بیٹھے ہوئے آدمی نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔

''ایکسیڈنٹ کا خطرہ ہے۔ یہاں ڈھلوان بھی ہے اور سڑک پر جگہ جگہ موڑ آتے ہیں۔''ڈرائیور نے جواب دیا۔

''اوہ تو کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا ہوتا۔''

''اس طوفانی رات میں دوسرے رستے تو ویسے ہی ناقابلِ گزر ہوں گے۔''

''کچھ بھی ہو، ہمیں اسے جس قدر جلد ممکن ہو وہاں لے جا کر دفن کر دینا چاہیے، کہیں کتے بو نہ سونگھ لیں۔''

''لیکن اگر گاڑی اور تیز چلائی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ ہم سب بھی کسی گڑھے یا کھائی میں دفن ہو جائیں گے۔''

اس کے جواب میں موٹا آدمی کچھ نہ بولا۔ اس کی نگاہیں کھڑکی سے باہر دور تک پھیلے ہوئے ناہموار میدان کو دیکھ رہی تھیں۔

ڈھلوان ختم ہونے کے بعد سڑک سیدھی ہو گئی تھی۔ یہاں انھیں راہ میں صرف ایک بیل گاڑی ملی، جس کا گاڑی بان بیچارہ برسات سے بچنے کیلیے ایک ٹاٹ اوڑھے سکڑا سکڑایا بیٹھا تھا اور بیل شاید طوفان سے ڈر کر اور تیز بھاگ رہے تھے۔

''اب تو تیز بھگاؤ۔''

''او کے۔''

ڈرائیور نے یہ کہہ کر گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

تقریباً دو میل چل کر ان کا ٹرک ایک جگہ آہستہ ہو گیا۔ یہاں سے وہ پختہ سڑکیں داہنے بائیں پھوٹتی تھیں اور ان کے کنارے پتھر کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ ٹرک کی ہیڈ لائٹس جب ان میں سے دائیں سمت کے بورڈ پر پڑیں تو موٹا آدمی بول اٹھا۔

Akram Allahabadi

"بس اسی سمت۔"

اس پر سیاہ حروف میں کندہ تھا ہنچ کھیڑی...۱۵۰ میل'

ٹرک اس پختہ سڑک پر گھوم گیا، لیکن یہ تارکول کی سڑک نہ تھی اور اس پر جگہ جگہ گڑھے پڑے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے اس کی رفتار اور سست کر دی گئی۔

ہچکولے لیتا، پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں کی کیچڑ اچھالتا ٹرک آگے بڑھتا رہا۔ اس سڑک پر بھیانک تاریکی کا راج تھا۔ دونوں طرف اونچے اونچے سایہ دار درخت قطاروں میں کھڑے تھے اور ان کے پیچھے بے ترتیب جنگلی جھاڑیاں۔ ٹرک نے اسی طرح تقریباً ایک میل کا راستہ طے کر لیا۔

دور گھنی جھاڑیوں میں انھیں ایک ٹمٹماتی ہوئی روشنی اندھیرے سے لڑنے کی ناکام کوشش کرتی جب نظر آئی تو ڈرائیور کے پاس بیٹھا آدمی چونک پڑا۔

"وہ رہا، بس اگلے موڑ سے ٹرک ادھر گھما لو۔"

ڈرائیور کچھ نہ بولا، وہ صرف اس کی ہدایت پر عمل کرتا رہا۔

بمشکل ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہی اسی سڑک سے ایک کچی شاخ پھوٹ کر ان جھاڑیوں کی طرف گئی تھی، جہاں وہ مدھم سی روشنی ٹمٹماتی نظر آ رہی تھی۔ درختوں اور جھاڑیوں کے سیاہ سایوں سے اونچا ایک گنبد بھی دور سے نظر آ رہا تھا۔ یہ راستہ کچا تھا، لیکن نشیب میں نہ تھا، اس لیے یہاں زیادہ کیچڑ نہ تھی۔ ٹرک کو اس پر چلنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ بارش بھی وقتی طور پر کچھ ہلکی ہو گئی تھی۔

راستہ آگے جا کر نصف دائرے کی شکل میں گھومتا ہوا ایک کھنڈر کے آثار کے نزدیک ختم ہوا تھا اور سامنے انھیں ایک اونچے بڑے گنبد والا کوئی پرانا تاریخی مقبرہ نظر آ رہا تھا، جس کے باہر اونچی اونچی گھاس اگی ہوئی تھی۔ ٹرک اس کے باہر ہی روک دیا گیا اور اندر سے بیٹھے بیٹھے ہی موٹے آدمی نے جیب سے ٹارچ نکال کر اس کی روشنی مقبرے کی طرف ڈالی۔

Akram Allahabadi

انھیں ایک منٹ بعد ہی پانی میں چھپ چھپا تے ہوئے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر ایک لالٹین کی روشنی ۔ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا، مگر اس کا بدن تندرست اور وہ کسی فوجی کی طرح سر اٹھائے تن کر چل رہا تھا۔ ٹرک کے نزدیک آ کر وہ رک گیا۔ اس کے بدن پر ایک پرانی سی برساتی تھی، جس پر سے پانی بہہ کر نیچے ٹپک رہا تھا۔

''آ گئے۔'' اس نے لالٹین اونچی کر کے اس موٹے آدمی کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، کیا قبر تیار ہے؟''

''وہ تو کل سے ہی تیار ہے۔''

''تو آؤ۔'' یہ کہہ کر موٹا آدمی ٹرک سے اتر آیا۔ ڈرائیور بھی اس کے ساتھ ہی گاڑی سے اترا اور پھر وہ تینوں ٹرک کی پشت پر آ گئے۔ ٹرک کی باڈی یا تو المونیم کی تھی یا کسی اور دھات کی جو سفید چمکیلی تھی۔ اس کا پھاٹک دو پٹوں کا تھا جو ایک زنجیر کے ذریعے مقفل تھا۔ قفل کھول کر پھاٹک کھول دیا گیا اور موٹا آدمی ٹارچ کی روشنی اس کے اندر پھینکتا ہوا پہلے خود ہی اندر داخل ہو گیا۔ اندر ایک ساڑھے ۶ فٹ لمبا تابوت رکھا ہوا تھا۔ یہ ویسا ہی تھا جیسا عیسائی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مخروطی ڈھانچہ لکڑی کا بنا ہوا تھا۔

جاتا تھا، مگر عام اصطلاح میں اسے آئس روم ہی کہتے تھے۔ لاش ایک اسٹریچر پر لے آئی گئی اور اسے ایک ٹین کی ٹاپ والی ٹیبل پر رکھ دی گئی۔ برف میں رہ کر وہ اکڑ گئی تھی اور بہت بھیانک نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک میلی سفید چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ برف میں رہ کر اس کا بدن اور سوکھ گیا تھا خان پہلے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا، پھر اس نے ایک وارڈ بوائے کو حکم دیا کہ لاش کو اوندھا کر دے اور جب وارڈ بوائے نے حکم کی تعمیل کی تو خان اس کی پیٹھ اور پٹھوں کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر اچانک ایک جگہ اس کی نگاہیں جم گئیں۔ داہنی بغل کے قریب کندھے کی ہڈی کے نیچے جلد پر ایک زخم کا ایک نصف انچ لمبا نشان بنا ہوا تھا جو بھر چکا تھا، صرف اس کا ہلکا سا داغ موجود تھا۔ اسے دیکھنے کے بعد خان نے پھر اسے سیدھا کرا دیا۔ اب وہ اس کے پیروں کو غور سے دیکھ

Akram Allahabadi

رہا تھا۔اس کے ایک پیر کی چھوٹی انگلی اس سے ملی ہوئی انگلی پر چڑھی ہوئی تھی۔

''ہُم، لے جاؤ اسے۔'' خان نے وارڈ بوائے سے کہا۔اور خود ٹہلتا ہوا ڈاکٹر کے قریب آ گیا۔

''کوئی وارث نہیں آیا اس کا؟''

''نہیں، ابھی تک کوئی نہیں آیا۔''

''تو پھر سرکاری طور پر اس کی تجہیز و تکفین کرا دی جائے۔''

''یہی کیا جائے گا۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

وہ باتیں کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ڈاکٹر اپنے آفس میں چلا گیا اور خان اسٹاف کار میں آ بیٹھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

لڑکی کون تھی؟

بالے اس وقت کام کرنے کے موڈ میں تھا۔ان دنوں اس کے دماغ میں یہ خبط زوروں پر تھا کہ وہ خان کی ہدایات کے بغیر بھی الجھے ہوئے کیسز کی گتھیاں سلجھا سکتا ہے۔پچھلے مشہور سیاسی ریکٹ میں بھی اس کے اس قدر ہاتھ پیر مارنے کے باوجود خان کے ایک ذرا سے اقدام نے پورے کیس کا صفایا کر دیا تھا اور اس کے پلے اس کے سوا کچھ نہ پڑا تھا کہ وہ ایک مسخرے کی طرح شری وشانا تھن کا رول ادا کرتا رہا تھا۔بہر حال اس بار اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ خود کوئی تیر مار کر دکھائے گا،خواہ اس کے عوض خان اس کی پیٹھ ٹھونکے یا کھوپڑی۔

اس نے کار ڈاکٹر بٹ کی فارمیسی کے دروازے پر روک دی۔جب سے یہ کیس ہوا تھا،ڈاکٹر کے یہاں مریضوں کی تعداد نصف سے بھی کم ہو گئی تھی اور لوگ اس کے متعلق طرح طرح کی افواہیں اڑانے لگے تھے۔اس وقت بھی گنتی کے چند مریض ہی اندر بنچوں پر بیٹھے تھے۔حالانکہ کیس سے پہلے یہاں مریضوں کا اس قدر رش رہتا تھا کہ باہر تک ان کا کیو ہی نظر آتا تھا۔

خان نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ خفیہ طور پر نگرانی قائم رکھے،لیکن اس کے دماغ میں تو اس وقت عبقریت کے کیڑے رینگ رہے تھے۔وہ کار باہر کھڑی کر کے فارمیسی کے ہال سے ہوتا ہوا ڈاکٹر کے آفس پر پہنچ گیا۔ڈاکٹر بٹ شہر کے مشورتین اور بڑے ڈاکٹروں میں سے تھا۔شہر میں اس کی کافی عزت تھی اور عام طور پر لوگ اس کے طریق علاج سے مطمئن تھے۔لیکن بڑے سے بڑے ڈاکٹر کے ہاتھوں سے بھی اگر کوئی کیس غلط ہو جائے اور اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کے معتقدین کا ذہن بدلتے دیر نہیں لگتی۔کل تک جس ڈاکٹر تک پہنچنے کیلیے لوگوں کو گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا،آج اسی کے دروازے پر صرف تھوڑے سے مریض نظر آ رہے

تھے۔اس کیس کی خبر آگ کی طرح پورعلاقے میں پھیل گئی تھی۔لوگوں نے اپنی آنکھوں سے وہاں پولیس کی گاڑیاں آتے،ایمبولینس میں اس مریض کی لاش کو لے جاتے دیکھا تھااور پھر ایسی باتیں ڈھکی چھپی رہ بھی نہیں سکتیں۔اخباروں نے دوسری صبح کو ہی اس خبر کونمایاں طور پر شائع کر کے سارے شہر میں پھیلا دیا تھا۔

ڈاکٹر بٹ ایک خوبصورت سا ادھیڑ عمر مگر مضبوط قویٰ کا آدمی تھا۔وہ بڑا خوش خلق اور نرم دل کہلاتا تھا،لیکن شاید ان حالات نے اسے اس قدر چڑ چڑا کر دیا تھا کہ جب چپراسی نے سارجنٹ بالے کی آمد کی اسے اطلاع دی تو تقریباً چیخ اٹھا۔

''آئے ہیں تو میں کیا کروں؟پریشان کر دیا ہے ان پولیس والوں نے۔''

''مگر صاحب۔۔''چپراسی نے کچھ کہنا چاہا۔

''جاؤ جاؤ،بھیج دو۔بھیج دو انھیں میرا مغز چاٹنے کیلیے۔''وہ دونوں ہاتھ جھٹک کر بولا۔

دوسرے لمحے بالے اس کے آفس میں تھا۔

''ڈاکٹر،آپ بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں۔''وہ ہمدردانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''نہیں تو کیا قہقہے لگاؤں،مٹھائی بانٹوں۔میرا تمام بزنس چوپٹ ہوا جا رہا ہے۔اسپتالوں میں ڈاکٹروں کے ہاتھوں سے سینکڑوں ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں،لیکن کوئی زبان بھی نہیں لاتا،میں نے تو کوئی غلطی بھی نہیں کی،پھر بھی میرے لیے اتنا طومار باندھ دیا گیا ہے۔''وہ کمرے ٹہل ٹہل کر بڑبڑاتا رہا۔

''پبلک کی بدگمانی کیلیے محض ذرا سا شوشہ کافی ہے۔''بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''جانتا ہوں،جانتا ہوں،لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔''یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر بالے کے قریب آ گیا اور فرطِ جذبات سے بالے کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''سارجنٹ، آپ پولیس آفیسر ہیں، خدا کیلیے اس راز کا پتہ چلایے۔ مجھے اس بدنامی سے نجات دلا دیجیے تو میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔''

ڈاکٹر کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں التجا تھی اور بالے اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کی دلی کیفیت کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کے لہجے سے سچائی اور احتجاج نمایاں تھا اور اس کے بشرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ واقعی طور پر وہ نروس سا ہو رہا ہے۔

''میں پوری کوشش کروں گا، ڈاکٹر، بشرطیکہ آپ مجھ سے کچھ نہ چھپائیں۔'' بالے نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟ یعنی آپ ابھی تک مجھ پر شک کر رہے ہیں؟''

''آپ غلط سمجھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کچھ چھپا ضرور رہے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھ سکا آپ کا مطلب۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا میں پولیس کو سب بتا چکا ہوں۔''

''آپ کا بیان تھا کہ یہ آدمی خود آپ کے پاس علاج کیلیے آیا تھا؟''

''ہاں، تو پھر؟'' ڈاکٹر کسی قدر جھجک کے ساتھ بولا۔

''اس کی جب ایسی حالت تھی تو آپ نے اسے اسپتال کیوں نہیں پہنچوا دیا؟''

''اوہ، یہ تو میں نے خود بھی اس سے کہا تھا، لیکن وہ گڑگڑانے لگا کہ میں ہی اس کا علاج کروں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سرکاری اسپتالوں میں مریضوں سے اس قدر لاپرواہی برتی جاتی ہے کہ وہ تقدیر سے ہی بچ جاتے ہیں۔ نرسیں، وارڈ بوائز اور مہتر تک ان سے جھڑکیوں سے بات کرتے ہیں۔ ہلکا پھلکا مریض تو وہاں کے عملے کے برتاؤ سے گھبرا جاتا ہے۔ صرف ڈاکٹر مریضوں سے شرافت سے پیش آتے ہیں، لیکن وہ ہر وقت موجود نہیں رہتے۔ وہ تو یہاں تک کہہ رہا تھا کہ سرکاری اسپتال میں بھیجنے سے تو بہتر یہ ہے کہ اسے کسی کچرے کے گھورے پر پھنکوا

دیا جائے۔" ڈاکٹر یہ کہتے کہتے رک گیا۔

"تو کیا آپ بھی اس کے خیال سے متفق تھے؟"

"ہاں۔ عموماً سرکاری اسپتالوں کے تنخواہ دار ملازم حرامخوری کے عادی ہو گئے ہیں۔ مریضوں کو ایسی تکلیفیں ہوتی ہیں۔ بہر حال ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میرا فرض تھا کہ میں اسے بچانے کی کوشش کروں، اس لیے میں نے کیس ہاتھ میں لے لیا۔"

"آپ کے یہاں کتنے بیڈ ہیں؟"

"یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ڈسپنسری کا پچھلا حصہ میں پرائیوٹ اسپتال کے طور پر استعمال کرتا ہوں، لیکن صرف آٹھ بیڈ ہیں اور میرے پاس صرف تین ٹرینڈ نرسیں ہیں، جو ان کی خبر گیری کرتی ہیں۔ آپ چاہیں تو..."

"ان کے بیانات لیے جا چکے ہیں۔" بالے نے بات کاٹ دی۔ "لیکن کیا آپ اس کا مفت علاج کر رہے تھے؟"

"شاید میں یہ بھی کرتا۔ نادار مریضوں کیلیے میں اتنی قربانی کر دیا کرتا ہوں، لیکن اس کے پاس سو روپے تھے، جو اس نے پہلے ہی میری میز پر یہ کہہ کر رکھ دیے تھے کہ اس وقت میرے پاس اتنا ہی ہے، آپ میرا علاج کیجیے اور جس قدر خرچ ہوگا میں منگوا کر دے دوں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قلاش نہ تھا، حالانکہ اس کا حلیہ..."

"ہو سکتا ہے کہ کوئی کفایت شعار آدمی رہا ہوں، جس نے کچھ اثاثہ بچا کر رکھا ہو، بہر حال میں نے تو ہمدردانہ طور پر اس کا علاج شروع کیا تھا۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے منگا کر دے گا؟"

"یہ... یہ نہ میں نے پوچھا، نہ اس نے بتایا۔"

"اس وقت مریض کی کیفیت کیا تھی، جب وہ آپ کے پاس آیا تھا؟"

"وہ کچھ بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور کمزوری کی

علامات بھی ظاہر تھیں۔"

"کیا اسے خطرناک حالت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟" بالے نے پوچھا۔

"حالت خطرناک نہ تھی، تشخیص کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ دماغی دق کا شکار ہوا ہے۔"

"اس مرض کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟"

"کوئی مستقل اور شدید قسم کی فکر یا کوئی ایسا صدمہ جو بھلایا نہ جا سکے اور خون میں سرخ دانوں کی کمی بھی۔ کیونکہ یہ کمی قوتِ مدافعت کو کم کر دیتی ہے، اس لیے یہ مرض حاوی ہو جاتا ہے۔"

"لیکن وہ تو تندرست آدمی تھا؟"

"یہ بات تو میں نے بھی محسوس کی تھی۔"

"تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ایسی کوئی بیماری مصنوعی طریقے پر پیدا کی جا سکے؟"

"میں سمجھا نہیں آپ کا مطلب؟"

"میں صرف ایک بات پوچھ رہا ہوں، اس کا کوئی مطلب نہ نکالیے۔"

"میرے مشاہدے میں ایک ایسا کیس آیا تھا۔ بہت عرصے کی بات ہے۔" ڈاکٹر ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "وہ قبض کی شکایت سے ابخرات اس کے دماغ تک چڑھ جاتے تھے، لیکن کسی ناتجربہ کار معالج نے اسے دماغی دق کا مرض سمجھ کر اسے اسٹرپٹو مائسن (Streptomysine) کے بیس انجکشنوں کا ایک کورس دے ڈالا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اسے منجھیر (meningitis) ٹی بی (دماغی ٹی بی) نہ ہوتے ہوئے ہو گئی۔" ڈاکٹر نے بتایا۔

"اوہ۔" بالے سوچ میں پڑ گیا۔ "اب صرف ایک بات اور بتا دیجیے؟"

"کیا؟"

"اس مریض کو آپ کے پاس لے کر کون آیا تھا؟"

Akram Allahabadi

''کون...؟نہیں تو۔''ڈاکٹر اس سوال پر چونک پڑا۔

''آپ یہ بات شروع سے چھپا رہے ہیں۔''

''میں چھپا تو نہیں رہا، میرا مطلب ہے کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

''یہ مریض آپ کے پاس کس وقت لایا گیا تھا؟''

''گزشتہ سنیچر کی رات کو، جب میں عام مریضوں سے فارغ ہو چکا تھا۔''

''اور کیا اسے ساتھ لانے والی ایک لڑکی نہیں تھی؟''بالے نے ڈاکٹر کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''لل...لڑکی؟نہیں تو، یعنی میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھے کچھ معلوم نہیں۔ہوسکتا ہے کوئی لڑکی اسے فارمیسی تک چھوڑ کر چلی گئی ہو، میں کیونکہ ڈسپنسری والے حصے میں تھا، اس لیے مجھے اس کا علم نہیں۔''

''خیر، سر دست اتنا ہی کافی ہے، ضرورت پڑی تو پھر کبھی تکلیف دوں گا۔''بالے یہ کہہ کر اس سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔اس کے دماغ میں اس وقت مختلف قسم کے خیالات ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ڈاکٹر کا چوکیدار (دربان) باہر موجود تھا۔وہ بالے کو پہچان کر اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

''میں سامنے والے ہوٹل میں بیٹھا ہوں، مجھ سے وہیں آ کر ملو، آں...''بالے نے دبے لہجے میں اس سے کہا۔

''اچھا صاحب۔''وہ سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

بالے نے کار اسٹارٹ کی اور سڑک کو کراس کر کے دوسری طرف ایک اوسط درجے کے ریسٹوران کے سامنے سے کھڑی کر کے خود اس ریسوران میں داخل ہو گیا۔

فارمیسی کا چوکیدار دو منٹ بعد ہی آ پہنچا۔

''بیٹھ جاؤ۔''بالے نے اسے سامنے والی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا

Akram Allahabadi

اور وہ ڈرتے ڈرتے بیٹھ گیا۔

''کیا وہ لڑکی اس مریض کو اندر چھوڑ کر فوراً ہی واپس چلی گئی تھی؟''

''نہیں صاحب، وہ کچھ دس منٹ میں نکلی ہوگی اندر سے۔''

''مگر ڈاکٹر تو کہتا ہے کہ اس نے اس لڑکی کو دیکھا ہی نہیں۔''

''رام جانے، صاحب، ہوسکتا ہے وہ کہیں چھپ گئی ہو۔''

''چھپ گئی ہو...؟ کیوں...؟''

''یہ لیجیے، یہ میں کیا جانوں۔ میں نے تو ایک بات کہی کہ جب ڈاکٹر صاحب نے نہیں دیکھا تو اور کیا ہوسکتا ہے۔''

''خیر، کیا تم اس کا حلیہ بیان کر سکتے ہو؟ ذرا ٹھیک سے دماغ پر زور دے کر۔'' یہ کہہ کر بالے نے نوٹ بک نکال لی۔

''وہ سفید ساڑی باندھے ہوئے تھی، صاحب، بڑا خوبصورت جسم تھا اس کا۔ بلاؤز اونچا تھا اور پیٹ اور کمر ننگی دکھائی دیتی تھی، گوری گوری...'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہنے لگا۔

''رال نہ ٹپکاؤ یہاں، میں حلیہ پوچھ رہا ہوں۔'' بالے نے منہ بنا کر کہا۔ اور وہ چونک پڑا۔

''صاحب، میں سمجھا یہ بھی بتانے کی بات ہوگی۔''

''آگے چلو؟''

''صاحب، نہ بہت لمبی تھی نہ ٹھنگنی (پستہ قد)، اچھی تندرستی، گورا رنگ، ماتھا چوڑا تھا اور چہرہ... چہرہ... صاحب، وہ کیا کہتے ہیں... کتابی؟''

''کتابی۔''

''ہاں، صاحب۔ جیسے انڈا ہوتا ہے نا، ویسا گول اور صاحب، آنکھیں تو اس کی بلا کی خوبصورت تھیں، یہ بڑی بڑی پلکیں۔'' اس نے انگلی سے ناپتے ہوئے بتایا۔

Akram Allahabadi

''کافی رنگین مزاج معلوم ہوتے ہو۔''

''نہیں، صاحب، مگر وہ تھی بھی ایسی کہ بس دیکھتے رہو۔''

''اچھا خیر، بڑی بڑی گھنی گھنی پلکوں والی آنکھیں اور...؟''

''اور، صاحب، ناک تو اس کی بڑی خصورت تھی... میں کیا بتاؤں... بس پتلی سی، ہونٹ چھوٹے چھوٹے لال لال۔''

''اور گال بھی لال ہی رہے ہوں گے؟''

''بے شک، بے شک، صاحب۔'' چوکیدار نے ڈھٹائی سے کہا اور بالے کو سوچنا پڑا کہ یہ تو اس کا بھی گرو نکلا۔

''کوئی خاص نشانی بتاؤ، بیٹے، دس روپے یونہی نہیں ملیں گے۔''

''خاص نشانی...؟'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''ارے ہاں، صاحب، اس کے ناخن لمبے لمبے تھے۔''

''یہ کوئی خاص بات نہیں، آج کل کی فیشن پرست لڑکیوں میں یہ جنگلی پن عام ہوتا ہے۔''

''تو اور کیا تھا، صاحب؟'' وہ پھر سوچ میں پڑ گیا۔ ''اور ہاں، صاحب، اس کے نچلے ہونٹ کے نیچے ایک تل بھی تھا۔''

''لڑکیاں ایسے تل نظرِ بد سے بچنے یا اور خوبصورت نظر آنے کیلیے لگا لیتی ہیں، اور کچھ یاد کرو۔'' بالے نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

''اور...اور... ہاں صاحب، اس کے... اس کے سیدھے ہاتھ کے بازو پر ایک زخم کا نشان بھی تھا، کوئی ڈیڑھ انچ لمبا۔''

''کیسی معلوم ہوتی تھی؟ ہندوستانی؟''

''اور کہاں ایسی چھوکریاں پیدا ہوتی ہیں، صاحب۔ انگریز نیں تو سفید سفید ہوتی

ہیں، جیسے کوڑھ پھوٹ پڑا ہو۔ میں اسے لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں، صاحب۔''

''خیر، یہ لو دس روپے، کوئی اور بات یاد آئے تو مجھے اسی نمبر پر فون کرنا، اور انعام ملے گا، مگر دیکھو، کسی کو بتایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

''نہیں صاحب، میں کوئی بیوقوف ہوں، مگر صاحب دس تو بہت کم ہیں۔''

''اوہ، اچھا لو یہ ایک اور، بس اب راستہ ناپو۔'' بالے نے دس کا ایک اور نوٹ اسے تھما دیا۔ وہ وہ خوشی کوشی اسے سلام کر کے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد بالے نے بھی بل چکایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بظاہر قطعی لاپرواہ نظر آ رہا تھا، لیکن دزدیدہ نظروں سے وہ اس آدمی کو بھی دیکھتا جا رہا تھا جو دیر سے اس چوکیدار اور بالے کو دور بیٹھا گھور رہا تھا۔ وہ ایک مضبوط قسم کا چالیس بیالیس سال کا سانولا سا آدمی تھا۔ اس نے جسم پر ایک گرم کوٹ اور نیچے گہرے رنگ کی پتلون پہن رکھی تھی۔ بالے نے کنکھیوں سے اسے دیکھا اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ آدمی بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور کاؤنٹر پر پیسے رکھ کر کچھ کہتا ہوا جلدی جلدی قدم اٹھاتا باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

قتل یا ایکسیڈنٹ

ڈاکٹر کے دربان کی ڈیوٹی رات کے گیارہ بجے ختم ہوتی تھی اور باقی رات اس علاقے کے باشندوں کا مشترک طور پر ملازم رکھا ہوا گورکھا پوری سڑک اور اس کی عمارتوں کا پہرہ دیتا تھا۔

خلافِ توقع آج دربان کو اس ایک اجنبی سے جس کے بارے میں اسے قطعی یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ پولیس کا کوئی افسر ہے، دو بار دس دس روپے کے نوٹ انعام میں ملے تھے، گویا دس دن کی تنخواہ بغیر کام کیے مفت پا چکا تھا۔ ان بیس روپیوں سے اپنی بیوی کیلیے ایک ساڑی، بچوں کیلیے دو جوڑا کپڑے، اپنے لیے ایک جوڑا چور بازار کے جوتے خریدنے کا پروگرام بناتا ہوا اپنی دھن میں گنگناتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے آض سامنے والی عمارت کے اس روشن گھڑیال پر بھی نظر نہ ڈالی تھی جسے وہ روزانہ ڈیوٹی ختم کرتے وقت دیکھ لیا کرتا تھا۔ آج تو اسے گھنٹہ آدھ گھنٹہ دیر بھی ہو جاتی تو تھکن نہ محسوس ہوتی۔ اس جیسے ۶۰ روپے ماہوار کی تنخواہ والے غریب آدمی کیلیے یہ بیس روپے کوئی معمولی رقم نہ تھی، جس کی اسے خوشی نہ ہوتی۔ ڈاکٹر تو کبھی تہواروں پر بھی اس انعام نہیں دیا کرتا تھا۔

سڑک کے موڑ پر وہ جیب سے بیڑی نکال کر اسے جلانے کیلیے رک گیا، لیکن اسے کیا خبر تھی کہ ایک گہرے سبز رنگ کی کار بھی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے رینگتی آ رہی ہے۔

موڑ پر گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا اور دوسری طرف سڑک بالکل سونی تھی۔ اس نے بیڑی جلائی، ماچس احتیاط سے جیب میں رکھی اور آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے آتی ہوئی کار اس کے نزدیک ہی بریک مار کر تھم گئی۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"اے۔" اندر سے کسی نے آواز دے کر اسے روکا۔ وہ اس کے قریب ہی چلا گیا۔

Akram Allahabadi

''ادھر ویسٹرن ہاؤس کہاں ہے؟''

''ویسٹن ہاؤس...؟ وہ کیا ہے، صاحب، اگلے موڑ سے بائیں ہاتھ پر بس کوئی آدھا فرلانگ ایک فرلانگ ہوگا وہاں سے۔''

''بھئی، ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا، ذرا تم ہی وہاں تک چل کر دکھا دو نا، ہم تمہیں انعام دیں گے۔'' کار ڈرائیو کرنے والے نے بڑے نرم اور بے تکلفانہ لہجے میں کہا۔

انعام کے نام سے دربان کی باچھیں پھر کھل گئیں۔ نہ جانے آج وہ کس کی صورت دیکھ کر اٹھا تھا جو یہ انعام اسے مل رہے تھے۔ کم از کم بیوی کی شکل دیکھنے کا پھل تو نہ ہوگا یہ۔ اس کی صورت تو وہ آج پانچ برسوں سے روز ہی سویرے دیکھا کرتا تھا اور بچے بھی روز ہی صبح سامنے پڑتے، خیر ہوگا کوئی۔ اس نے سوچنا چھوڑ کر سر کو جھٹکا اور ''اچھا صاحب'' کہتا ہوا کار میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اسے اندھیرے میں اپنے برابر ہی ایک اور آدمی بیٹھا نظر آیا جو سیاہ رنگ کے کپڑے یا شاید سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ کار اسٹارٹ ہوگئی اور پھر اس کی رفتار تیز ہوگئی۔

''ویسٹن ہاؤس تو پیچھے رہ گیا، صاحب۔'' دربان نے کار چلانے والے کی توجہ اشارے سے پیچھے کی طرف منعطف کرائی۔

''رہ جانے دو۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔

''مگر صاحب، میں تو... یعنی کہ آپ تو ویسٹن ہاؤس...''

''چپ بیٹھو۔'' پاس بیٹھے ہوئے آدمی نے اسے ڈانٹا۔

''معاملہ کیا ہے صاحب آخر؟ آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟''

''جہنم میں، اور اب کی بار تمہارے منہ سے آواز نکلی تو یہ گولی تمہارا سینہ چھید دے گی۔'' پاس والے نے اس کی داہنی پسلی میں کسی سخت چیز سے ٹھونکا دیتے ہوئے کہا۔ دربان نے ٹٹول کر دیکھا اور اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ سرد سی چیز کسی پستول کی نال ہی تھی۔

''مم... مگر صاحب...'' دربان گھگھیایا۔

Akram Allahabadi

''منہ بند۔'' اس آدمی نے پھر پستول کی نال اس کی پسلی میں چبھوئی۔

اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ دربان اپنا منہ بند ہی رکھے۔ ذرا دیر پہلے اسے بیس روپیوں کے انعام ملنے کی جو خوشی ہو رہی تھی وہ یکلخت کافور ہو گئی۔ یہاں تو جان ہی خطرے میں تھی۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ چاہے اس کی نوکری ہی کیوں نہ چلی جائے، لیکن اس کی جان بچ جائے۔ وہ صحیح سلامت اپنے کمسن بچوں اور اپنی انتظار کرتی بیوی کا منہ دیکھ سکے۔

''تم کہاں رہتے ہو؟'' پاس والے آدمی نے اس سے پوچھا۔

''صاحب، دایہ کی چال میں، تلائی محلّہ ہے۔'' دربان نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''تلائی محلّہ۔'' کار چلانے والے نے زیرِ لب دہرایا۔ ''دایا بھاٹی روڈ سے راستہ ہے نا؟'' اس نے پیچھے دیکھے بغیر سوال کیا۔

''جی ہاں، صاحب، وہی راستہ ہے۔'' دربان معصومیت سے بولا۔ اس مایوسی میں ایک معصوم سی امید اس کے دل میں پیدا ہو گئی کہ شاید وہ لوگ اسے اس کے گھر ہی پہنچائے دے رہے ہیں، مگر ایسا کیوں؟ پھر چپ رہنے کی دھمکی کیوں؟ اس کا دماغ موٹر کے پہیے کی طرح گھومنے لگا۔ ایسا کیوں؟ ایسا کیوں؟ بس ایک ہی سوال ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

''کبھی پیتے بھی ہو؟'' پاس والے آدمی نے اس سے پوچھا۔

''نہیں، صاحب۔ شادی سے پہلے کبھی کبھار پی لیتا تھا، مگر اب نہیں۔'' دربان نے بتایا۔

''پیسے ہی اتنے نہ ملتے ہوں گے، خیر لو تھوڑی سی پی لو۔'' اس آدمی نے جیب سے بوتل نکال کر تھوڑی سی اپنے حلق میں انڈیلنے کے بعد ربان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نن... نہیں صاحب، آپ لوگوں کے سامنے بھلا؟ اور پھر میں بال بچوں والا آدمی

ہوں۔''

''پی لو، ڈیئر، ایسی مفت کی ملتی کہاں ہے۔'' کار چلانے والے نے بھی اپنے ساتھی کی تائید کی۔ اور دربان کے پاس بیٹھے آدمی نے بوتل دربان کے منہ میں زبردستی لگا دی۔ ویسے جہاں تک پینے کا تعلق تھا، دربان پینے کا عادی نہ ہوتے ہوئے بھی اس میں کوئی چال یا خطرہ نہیں محسوس کر سکتا تھا، کیونکہ اس کے سامنے ہی پاس والے آدمی نے بوتل کا ایک گھونٹ حلق میں اتارا تھا۔ دوسرے وہ خوشامداُن نامعلوم اجنبیوں کو خوش رکھنا بھی چاہتا تھا تاکہ وہ اس پر رحم کھا کر اسے چھوڑ دیں۔ اس نے بوتل سے دو تین گھونٹ حلق میں چڑھا لیے اور زبان ہونٹوں پر پھیرنے لگا۔

کار دایا بھاٹی روڈ پر پہنچ کر آہستہ ہو گئی۔ اور ایک جگہ جہاں حدِ نظر تک تاریک اور سناٹا ہی نظر آ رہا تھا کار کو روک دیا گیا تھا۔

''اترو میاں۔'' پاس بیٹھے ہوئے آدمی نے دربان سے کہا۔ وہ بے چارہ چپ چاپ حکم بجا لانے میں ہی عافیت سمجھتے ہوئے اتر گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ آدمی بھی اتر آیا۔

''ڈیوس، تم ٹھہرو، میں گاڑی گھما کر لاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر کار چلانے والے نے کار اسٹارٹ کر دی اور تقریباً نصف فرلانگ تک لے جا کر اسے پلٹا کر تیز دوڑاتا ہوا لایا۔ دربان کی داہنی پسلی سے پستول کی نالی لگی ہوئی تھی اور وہ گم سم سڑک کے کنارے اس نامعلوم آدمی کے ساتھ کھڑا تھا۔ کار جیسے ہی قریب پہنچی، اچانک اس پستول والے آدمی نے دربان کے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دوڑتی ہوئی کار کے بالکل سامنے جا گرا۔ اسے پل بھر کی بھی مہلت نہ ملی۔ اس کی دردناک، بھیانک چیخ سے رات کا سناٹا کانپ اٹھا۔ کار کچھ دور آگے جا کر بریک لگا کر ٹھہر گئی اور پستول والا دوڑ کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ ''اے... کار روکو... روکو...''

دربان کی بھیانک چیخ دور دور تک سنائی دی گئی ہوگی، کیونکہ اس کے فوراً بعد آس پاس کے عمارتوں کی بند کھڑکیاں کھل گئیں اور لوگ جھانکنے لگے اور کچھ لوگ تو عمارتوں کے نچلے

حصوں سے نکل کر دوڑ بھی پڑے۔ بیچارے غریب دربان کی لاش خون میں لت پت بیچ سڑک پر کچلی ہوئی پڑی تھی اور اس کی مٹھی میں بیس روپے کے نوٹ تھے۔ اس کی لاش اس کار کے ساتھ کچھ دور تک گھسٹتی چلی گئی تھی۔

کار چلانے والا بھاگا نہیں، بلکہ گاڑی کو بیک کر کے اس بھیڑ کے قریب آ گیا۔ جو ابھی عمارتوں سے نکلنے والوں کے یہاں جمع ہونے سے ہو گئی تھی۔ ان لوگوں نے اس کی کار کو گھیر لیا اور اس پر سوالات کی بوچھار ہونے لگی۔

''بھائی صاحب، میں بالکل بے قصور ہوں۔ شاید یہ آدمی نشے میں تھا، کیونکہ وہ لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ میں نے پیچھے سے ہارن دیا تو وہ اچانک لڑکھڑا کر گاڑی کے سامنے ہی آ گیا۔'' کار چلانے والا بتا رہا تھا۔

''جی ہاں، اتنا تو میں نے بھی دیکھا ہے کہ مرنے والا نشے کی کیفیت میں کنارے ہٹنے کی بجائے لڑکھڑا کر اس گاڑی کے سامنے ہی آ گیا تھا۔'' پستول والے آدمی نے ایک راہ گیر اجنبی کی طرح کار چلانے کے بیان کی تصدیق کی۔ ''مگر صاحب، شرابی کو دیکھ کر آپ کو بھی گاڑی آہستہ کر دینی چاہیے تھی۔'' وہ کار چلانے والے سے ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

''مجھے کیا پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ یہ آدمی شراب پیے ہوئے ہے۔ یہ خیال تو مجھے اس وقت ہوا جب وہ جھونک میں دور ہٹنے کی بجائے کار کے سامنے ہی آ گیا۔ پھر مجھے بریک تک مارنے کی مہلت نہ ملی۔ پھر بھی میں نے بریک لگا کر گاڑی روکی، مگر حادثہ تو ہو چکا تھا، مجھے خود اس کا بے حد افسوس ہے۔'' وہ معصومیت سے بتانے لگا۔

اتنے میں پولیس بھی آ پہنچی۔ لوگ اب مرنے والے ہی کو الزام دے رہے تھے کہ نہ آدھی رات کو اس قدر شراب پی کر راستہ چلتا، نہ یہ نوبت آتی۔ پولیس کے آتے ہی بھیڑ چھٹ گئی۔ اس میں گشتی پولیس کا ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل تھے۔ انھوں نے لاش پر قبضہ کر لیا۔ اجنبی کی حیثیت سے پستول والے نے اپنے بیان کو پولیس کے سامنے دہرایا اور اس طرح کار

ڈرائیو کرنے والے کے بیان میں اور مضبوطی آ گئی۔اس نے یہی بتایا کہ شراب پیتے ہوئے یہ آدمی خود میری گاڑی کے سامنے آ گیا تھا، ویسے پستول والے اور کار ڈرائیو کرنے والے دونوں آدمیوں نے دوسروں کے اور پولیس کے سامنے ایک دوسرے کیلیے بالکل اجنبیت ظاہر کی اور پھر مجمع میں سے بھی کچھ لوگ جو کار ڈرائیو کرنے والے کے ہم خیال ہو گئے اور کچھ اس کے برعکس، جو بہر صورت مرنے والے کی موت کیلیے کار چلانے والے کو ہی قصوروار قرار دے رہے تھے۔

اور ایک گھنٹے کے بعد بیچارے دربان کی جوان بیوہ اپنے تین بچوں میں سے ایک کو گود میں لیے اور دو کو زانوں پر بٹھائے پولیس اسٹیشن کے باہر سسک سسک کر رو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ڈھیلی پیٹی

چرچ اسکوائر کے پرسکون مہذب علاقے کے ایک پرسکون ہوٹل کے باہر پارک کی ہوئی کاروں میں اس وقت شوکت کی کار بھی موجود تھی اور بالے نے محض اسے دیکھ کر اپنی ٹیکسی رکوا دی۔ آج اسے ٹیکسی پر ہی اکتفا کرنی پڑی تھی، کیونکہ خان اپنی کار لے گیا تھا اور اسٹاف کار شام ہی سے کہیں غائب تھی۔ ٹیکسی کا بل چکا کر وہ ہوٹل کے باہر برقی روشنی سے سیٹ کیے گئے ہوٹل کے بورڈ پر 'انٹرنیشنل ہوٹل' کا نام دیکھتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

شوکت اندر موجود تھا۔ وہ ہوٹل کے بڑے ہال میں ایک میز پر بیٹھا وہسکی کا گلاس سامنے رکھے سامنے والی میز کی طرف گھور رہا تھا جہاں ایک گورے رنگ کی قبولِ صورت جوان لڑکی بیٹھی اپنے ایک ساتھی مرد سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔

شوکت کی میز پر ایک آدمی اور تھا جو کوئی اجنبی معلوم ہوتا تھا، کیونکہ نہ وہ شوکت سے مخاطب تھا، نہ شوکت اس سے۔ دو کرسیاں خالی تھیں۔ بالے ان میں سے ایک خالی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا، لیکن شوکت نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ ایک ٹک اسی لڑکی کو گھورے جا رہا تھا۔ حالانکہ وہ لڑکی اپنے ساتھی کی طرف متوجہ تھی۔ بالے نے جب اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو حرکت دی تو وہ چونک پڑا۔

''اے لو تم کاں آن مرے ادھر۔'' شوکت نے بالے کی شکل دیکھتے ہی کہا۔

''کیوں؟ یہ ہوٹل تمہارے باپ کی جاگیر میں ہے کیا؟''

''ہاں جاؤ ہے، پھر تم کو کیا؟ یانی کہ قاضی جی کا ئے کو دبلے۔''

''قاضی جی بہت موٹے ہیں، مگر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' بالے نے اس کی بات کاٹ دی۔

''جھک مار رہا ہوں۔''شوکت جھنجلا کر بولا۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔خیر،وہ لونڈیا کون ہے؟''

''ہوگی اپنے ماں باپ کی کوئی تم کو کائے کی فکر ہے۔''

''دیکھ رہا ہوں۔تم اس کے جلوؤں میں چاروں ہاتھ پیروں سے غرق ہوتے جا رہے ہو۔''

''میری خشی غرق ہو جاؤں کہ تیروں،تم کوئی لائف گاڈ ہو؟''

''ابے او اخروٹ،کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے کیا؟''

''کائے کو نئیں ہوگا،اتنا اچھا معاملہ بگاڑ دیا میرا۔''

''کیسا معاملہ؟''

''میں نے آج مس ریزم کی کتاب میں پڑا ہے کہ بھوت دیر تک کسی چھوکری کو پلیں جھپکائے بغیر گھورو تو وہ قابو میں آجاتی ہے۔''

''اور تم وہی کر رہے ہو؟''بالے نے اپنی ہنسی پر قابو رکھتے ہوئے پوچھا۔

''میاں خاں،موجت میں سب کچھ جائز ہے۔یانی کہ ایوری تھنگ وار این لو۔''

''یہ موجت کب سے ہو گئی؟''

''لو آپ کی سنو،وہ بھی گھنٹی بجا کر ہوتی ہے۔ہو گئی جب ہو گئی۔یانی کہ وہ جو کہا ہے کسی شائر نے کہ ان کو جو دیکھا تو بس موجت ہو گئی...یانی کہ ہو گئی۔''

''سبحان اللہ،سبحان اللہ۔مگر وہ ہے کون؟''

''اللہ جانے۔میں نے تو راستے میں دیکھا تھا ادھر آرہی تھی اس آدمی کے ساتھ۔میں نے سوچا چلو اپن بھی کچھ کھا پی لیں گے ہوٹل میں۔''

''تو آنکھوں آنکھوں میں کھائے جا رہے تھے بیچاری کو۔''

''نئیں تو،وہ تو میں ڈھیلی پیچ کی مشق کر رہا تھا۔''

Akram Allahabadi

''یہ کیا بلا ہے؟''

''ارے وئی، یانی کہ اپنے خیالات دوسرے کے دماغ میں گھسیڑ دینا۔''

''پھر کیا نتیجہ رہا؟''

''تھوڑا تھوڑا اثر ہو رہا ہے۔ دیکھتے نئی بات کرتے کرتے ادھر بھی دیکھتی جاتی ہے۔''

''دیکھ رہی ہوگی کہ رانی باغ کا یہ گینڈا کیسے نکل بھاگا۔''

''تم خود میاں خاں۔ وہ یانی کہ گینڈے مینڈے۔ ایسا کائے کا مزاخ۔''

''میں سفارش کر دوں تمہاری اس لڑکی سے؟''

''تم جانتے ہو کیا اسے؟''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔''

''ارے تو ذرا تا رف مارف کرا دو نا اپنا بھی۔''

''تم تو ٹیلی پیتھی کا تجربہ کر رہے تھے۔''

''تجربہ گیا تیل لینے۔ یار بالے بھائی، جب سے اپنی مس زوہرا مری ہے، اپنا تو معاملہ ہی سونا ہو گیا۔''

''ایک شرط پر تعارف کراتا ہوں تمہارا۔''

''چلو بغیر بولے قبول۔''

''نہیں بولنا تو پڑے گا۔ وہ شرط یہ ہے کہ تمہاری گاڑی تین دن تک میری سروس میں رہے گی۔''

''تین دن تک؟ اور میں کیا پیدل چلوں گا پھر؟''

''ٹیکسی کر لینا نہیں تو دوسری خرید لو۔''

''اے لو گاڑی نئیں ہوئی کوئی چابی کی موٹر ہو گئی۔ دوسری خرید لو۔ اپنا تو ویسے ہی

Akram Allahabadi

دیوالیہ ہو رہا ہے۔"

"تم جانو۔"

"اچھا چلو تین دن منظور۔"

"اور ہاں، وہ اردو نہیں جانتی ہے، جہاں تک ممکن ہو انگریزی میں بولنا۔"

"کائے کو نئیں۔ میں بالکل کورا نئیں ہوں، انگریزی بھی بول لیتا ہوں۔"

"اچھا تو بلاتا ہوں، لو بس تیار ہو جاؤ۔" بالے نے کہا۔

"ہائے، کیا کہا ہے کسی شائر نے کہ لو اب جگر تھام کے بیٹھو، اب اپنی باری آئی ہے۔"

"شاعری موقع و محل سے کی جاتی ہے۔"

"اپن تو سب جگہ کرتے ہیں، محل ہو کہ ہوٹل۔"

شوکت کو جواب دینے کی بجائے بالے نے سامنے والی میز پر بیٹھے ہوئے اس آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلیے ایک پاس سے گزرتے ہوئے بیرے کو اشارہ کیا۔ بیرے نے اس آدمی کے قریب جا کر جو اس لڑکی کے قریب بیٹھا ہوا تھا، اشارۃً بالے کی طرف دیکھنے کو کہا۔ اور وہ بالے کو دیکھتے ہی چونک پڑا۔

"ہیلو سارجنٹ۔" وہ وہیں سے بالے کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"یہیں آجاؤ نا، پال، دو سیٹیں خالی ہیں۔" بالے نے جواب میں کہا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں، چلو، ڈروتھی۔" وہ اس لڑکی کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اٹھ گیا۔ لڑکی نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ بالے کی میز پر آ بیٹھیں اور شوکت کی باچھیں کھل گئیں۔

ان سے ملو، یہ ہیں میرے بہت اچھے اور پرانے دوست مسٹر شوکت۔" بالے نے شوکت کا تعارف کرایا۔

Akram Allahabadi

''شوکت میاں خاں جاگیردار۔''شوکت نے مصافحے کیلیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے خود اپنا پورا نام بتادیا۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

''اور یہ ہیں ہمارے پرانے دوست مسٹر ریگی پال۔ بڑے اچھے فوٹو گرافر ہیں۔ پریکٹس روڈ پر ان کا اسٹوڈیو بھی ہے۔''بالے نے لڑکی کے ساتھی کا شوکت سے تعارف کرایا۔

''مجھے بھی بھوت خاموشی...نہیں...یانی کہ خشی ہوئی آپ سے مل کر۔''شوکت نے بھی اخلاقاً کہا۔

''اور یہ ہیں میری خالہ زاد بہن مس ڈروتھی اسمتھ۔''پال نے خود اس لڑکی کا تعارف شوکت سے کرایا۔

''ہاؤڈوڈوڈو۔''گھبراہٹ میں شوکت کے منہ سے نکلا اور لڑکی مسکرادی۔

''آئی ڈو ویل، تھینکس۔''لڑکی نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔شاید وہ شوکت کے حلیے سے خوف زدہ نہیں تھی۔وہ دیکھنے میں جس قدر بھاری بھر کم نظر آتا تھا، گفتگو میں اتنا ہی بچہ معلوم ہوتا تھا۔

''مس دوروٹی...''شوکت نے کہنا چاہا۔

''ڈروتھی، پلیز۔''لڑکی نے خود ہی تصحیح کردی۔

''آئی ایم ساری، یانی کہ مس ڈروتھی پلیز، آپ کو شاید میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔''شوکت نے ڈروتھی کے نام میں پلیز بھی جوڑتے ہوئے گفتگو جاری رکھنے کا بہانہ ڈھونڈا ہوگا، مگر ڈروتھی سے ہنسی ضبط نہ ہوسکی۔

''بے شک، بے شک، دیکھا ہوگا۔انھیں خود بھی گھومنے پھرنے کی بہت عادت ہے۔''پال نے ڈروتھی کی بجائے خود جواب دیا۔

''بھوت اچھی عادت ہے۔اس سے تندرستی مندرستی سب ٹھیک رہتی ہے۔یانی کہ

آئی مین ہیلتھا زواک اینڈ...''

''بس بس، اب ڈاکٹر نہ بنو، کوئی اور بات کرو۔'' بالے نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کائے کی، موسم ووسم کی؟'' شوکت نے بیوقوفوں کی طرح خود بالے سے ہندوستانی میں پوچھا۔

''ایڈیٹ ہو پورے۔'' بالے زیرِلب بڑبڑایا۔

''میاں خاں، تم خود ہو گے ڈیوٹ میوٹ۔'' شوکت برا مانتے ہوئے بولا۔

مگر اسی وقت بالے کی نگاہ کاؤنٹر کی طرف اٹھ گئی۔ کاؤنٹر کی طرف ایک زرد نائلون کی ساڑی میں ملبوس ایک گندمی رنگت والی خوبصورت سی لڑکی اسی طرف آ رہی تھی۔ ساڑی کا آنچل سر سے ڈھلکا ہوا تھا اور اس کے ریشمی بال ہال کی چھت میں لگی ہوئی ٹیوب لائٹس کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ کلائی پر سنہری چین والی ایک چھوٹی سی گھڑی بندھی تھی۔ اس کا بدن بڑا سڈول اور پرکشش تھا اور سرخ فیتوں والے سینڈل میں اس کے سفید سفید پیر بہت خوبصورت معلوم ہو رہے تھے۔ بالے اس کی شکل غور سے دیکھ رہا تھا اور یہ دیکھ کر شوکت کی نظریں بھی اسی طرف اٹھ گئیں۔

''سبحان تیری قدرت۔'' اس کے منہ سے حیرت سے نکلا۔ ''ایک سے ایک چوکھٹے بنائے ہیں بنانے والے نے۔''

''کیوں؟ اب یہ پسند آ گئی کیا؟'' بالے نے آہستہ سے پوچھا۔

''اور نہ جانے کیوں ڈروتھی بھی اس لڑکی کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی تھی۔ وہ اسی طرف متوجہ تھی اور پال بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

''میر حسن نے کیا خوب کہا ہے وہ شیر، یا نی کہ یہ پری چہرہ لوگ کیا ہیں اور غمزہ ہو کہ عشوہ کہ ادا کیا ہے۔'' شوکت نے پھر شاعری شروع کر دی۔

''میر امن کا نہیں، بیٹے، چچا غالب کا شعر ہے اور تم نے اس کی بھی حجامت کر

ڈالی۔"

"اچھا ہونگے تمہارے..اور حجام بھی تم۔میاں خاں، کسی لونڈیا کے سامنے ایسا مت کہا کرو۔"شوکت نے دبے لہجے سے احتجاج کیا۔

اتنے میں وہ لڑکی قریب سے گزرتی ہوئی ڈروتھی کو دیکھتے ہی چونک پڑی۔

"ہیلو ڈروتھی۔"وہ خود ہی اس سے مخاطب ہوگئی۔

"ہیلو جوڈی۔"ڈروتھی اس سے ہاتھ ملانے لگی۔

نئی لڑکی جس کا نام ڈروتھی نے جوڈی لیا تھا، ایک طائرانہ نظر سب پر ڈالتی ہوئی پال سے مخاطب ہوگئی۔"آپ ہی جوڈی کے بھائی ہیں نا، مسٹر پال؟"

"جی ہاں، جی ہاں۔بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ڈروتھی اکثر آپ کی تعریف کیا کرتی ہے۔"پال نے جلدی سے کہا۔

"اور یہ ہیں میرے عزیز دوست سارجنٹ بالے۔یہاں کی پولیس کے مشہور آفیسر۔

"اوہ.."وہ چونکی اور پھر بالے کی شکل غور سے دیکھنے لگی، لیکن جب بالے نے اس سے نظریں ملائیں تو اس کے چہرے پر زردی کی خفیف سی لہر دوڑ گئی۔بالے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک مبہم سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"وہ بالے سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

"مجھے شوکت میاں خاں جاگیردار کہتے ہیں۔"شوکت زبردستی بیچ میں ٹپک پڑا۔ کیونکہ بالے کے موڈ سے اس نے سمجھ لیا تھا وہ اس کا تعارف نہیں کرائے گا۔

"آپ سے بھی مل کر..."لڑکی نے بالے کے بعد شوکت سے ہاتھ ملاتے ہوئے جملہ ادھورا رہنے دیا۔

"مل کر کیا؟"

Akram Allahabadi

''یعنی خشی ہوئی۔'' بالے نے جوڈی کی طرف سے جملہ پورا کردیا۔اور ڈروتھی ہنس پڑی۔

''کیوں تمہیں کائے کو خشی ہوئی؟'' شوکت بالے کو گھور کر بولا۔

مگر اتنی دیر میں جوڈی ڈروتھی سے رخصت طلب کر کے جا چکی تھی۔

''آپ بہت جلد غصے میں آجاتے ہیں، شوکت صاحب۔'' ڈروتھی نے مسکرا کر شوکت سے انگریزی میں کہا۔ وہ کچھ ایسے لہجے میں بولی کہ الفاظ شوکت کے پلے نہیں پڑے، ورنہ وہ ٹوٹی پھوٹی تو سمجھ ہی لیتا تھا۔

''جی ہاں، جی ہاں، شوکریہ۔'' شوکت نے جلدی سے سر ہلا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہاٹ اے مین۔'' ڈروتھی یہ کہہ کر ہنستی ہوئی خاموش ہوگئی۔

''تمہاری تعریف کررہی ہے، بیٹے۔'' بالے نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''اللہ قسم۔'' شوکت نے بھی اسی لہجے میں اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''نہ سمجھو تو گدھے ہو اوّل نمبر کے۔''

وہ لڑکی اب ایک کونے میں جا کر ایک خالی نشست پر بیٹھ چکی تھی اور بالے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہال میں آرکسٹرا اسٹیج پر اب مدھم مدھم سُر گونج چلے تھے اور میزیں پُر ہوتی جارہی تھیں۔

''مس ڈروتھی، یہ محترمہ کون تھیں؟'' بالے نے یونہی سرسری طور پر ڈروتی سے جوڈی کے بارے میں پوچھا۔

''بڑی اچھی لڑکی ہے۔ میری ملاقات اس سے پہلے پہل رٹز ہوٹل میں ہوئی تھی۔ وہ اکثر وہاں آیا کرتی ہے۔ ہے تو یہودی، مگر بڑی با اخلاق اور سلجھی ہوئی لڑکی۔'' ڈروتھی نے جوڈی کی تعریف کی۔

''اور کچھ نہیں جانتیں اس کے بارے میں؟''

Akram Allahabadi

''نہیں تو، کیوں؟''

''میرا مطلب تھا، کہاں رہتی ہے، کیا کرتی ہے وغیرہ وغیرہ؟'' بالے نے پوچھا۔

''شاید آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے ڈروتھی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

''خیر، یونہی سمجھ لیجیے۔''

''تب تو واقعی خوش نصیب ہے وہ۔'' ڈروتھی کی مسکراہٹ میں طنز تھا۔

''ارے کائے کو خوش نصیب مش نصیب، بالے صاحب کی نظرِ عنایت جس پر ہوگئی اس کا بیڑہ ہی غرق۔'' شوکت بیچ میں بول پڑا۔

''شکریہ اس حسنِ ظن کا۔'' بالے نے شوکت کے بھونڈے پن پر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اے خاں، زبان سنبھالو اپنی۔ زن ہو گے تم خُد۔ یانی کہ کوئی وہ سمجھا ہے مخنث مچھ۔''

مگر بالے نے شوکت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس لڑکی کی حرکات و سکنات کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ لڑکی کی نظریں بار بار دیوار گیر کلاک کی طرف اٹھتیں اور پھر دروازے کی طرف ہوتی ہوئی واپس آجاتیں۔ شاید وہ کسی کا انتظار کر رہی تھی۔

آرکسٹرا کی موسیقی تیز ہوتی جارہی تھی۔ شاید اب وہ کوئی پروگرام شروع کرنے والے تھے۔ شوکت ڈر رہا تھا کہ کہیں بال رقص شروع ہوگیا اور ڈروتھی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھادیا تو خاصی بے عزتی ہو جائے گی۔ اور ہوا بھی وہی۔ اسے بال ڈانس نہیں آتا تھا اور یہ بھی حقیقت ہی تھی کہ نہ تو کبھی کسی لڑکی نے اس کے ساتھ رقص کرنے کی پیشکش کی تھی اور نہ ہی وہ اس مغربی رقص میں کوئی دلچسپی رکھتا تھا، مگر اس وقت تو سوال ہی دوسرا تھا۔

لوگ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ علیٰحدہ علیٰحدہ

جوڑے اور کچھ لڑکے اور لڑکیاں، مرد اور عورتیں۔

''آیئے۔'' ڈروتھی نے شوکت کو پیشکش کی۔ اور شوکت کے فرشتے بھی اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھامنے سے احتراز کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

''مم... مگر میں... یانی کہ میرا مطلب ہے کہ آئی ڈون نو...'' شوکت نے کہنا چاہا۔

''آیئے بھی۔ آپ تو شرما رہے ہیں۔'' ڈروتھی نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام لیا۔

شوکت کو مجبوراً ساتھ دینا پڑا، لیکن اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ پال ڈروتھی کی شرارت پر پر لطف انداز ہو رہا تھا۔ اور وہ خود رقص میں شامل بھی نہیں ہوا۔

''چڑھ جاؤ بیٹے سولی پر۔ ایسے موقع نصیب کب ہوتے ہیں۔'' بالے نے آہستہ سے شوکت کے کان میں کہا اور شوکت شرمیلی دلہن کی طرح جھینپ گیا۔

دراصل یہ بالے کی ہی شرارت تھی۔ اس نے ہی پال کو آنکھ ماری تھی اور پال نے ڈروتھی کو اشارہ کر دیا تھا کہ شوکت کی خبر لی جائے۔

اب صرف پال اور بالے ہی میز پر رہ گئے۔

''کیا تم نے اس لڑکی کو پہلے بھی ڈروتھی سے ملتے دیکھا ہے؟'' بالے نے پال سے پوچھا۔

''کیوں؟ نہیں تو۔'' پال نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اچھی لڑکی نہیں معلوم ہوتی۔''

''تو میں ڈروتھی کو منع کر دوں؟''

''نہیں، ابھی کچھ نہیں کہنا۔ میں پھر بتاؤں گا تمہیں، پہلے میں خود دیکھتا ہوں اسے۔'' یہ کہہ کر بالے اٹھ کھڑا ہوا۔

جوڈی ابھی تک اسی میز پر بیٹھی دروازے کی طرف بار بار دیکھ رہی تھی۔ بالے کو

Akram Allahabadi

قریب آتے دیکھ کر وہ سٹپٹا سی گئی، لیکن پھر ایک خفیف مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھر آئی۔ بالے اس مسکراہٹ کے کھوکھلے پن کا اندازہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''مے آئی۔'' بالے نے کسی قدر جھجک کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے اسے ہم رقص بننے کی پیشکش کی۔

''تو تھینکس، مجھے اپنے ایک دوست کا انتظار ہے۔''

''تو کیا ہوا، اس کے آنے تک ہی سہی۔''

''وہ دیکھیے نا... دراصل...''

''اوہ، شاید آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں۔'' بالے نے چہرے پر گمبھیر اداسی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ منہ لٹکا کر پیچھے ہٹے، جوڈی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں، یہ بات نہیں۔'' یہ کہہ کر بالے کا ہاتھ تھام لیا۔

''میں اپنی غلط فہمی کی معافی چاہتا ہوں۔'' بالے نے انتہائی مہذب انگریز نائٹوں جیسے انداز میں سر کو جھکا کر ایک ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

تعاقب

وہ اسے بازوؤں میں لے کر رقص کرنے لگا۔اس نے محسوس کیا کہ جوڈی گھبرائی ہوئی تھی۔اس کے پیر بھی بے ترتیب پڑ رہے تھے۔حالانکہ وہ اپنے چہرے پر زبردستی کی شگفتگی قائم رکھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی،لیکن بالے جیسے قیافہ شناس کو دھوکا دینا اتنا آسان بھی نہ تھا۔بظاہر بالے کسی رومانی تصور میں کھویا کھویا سا اس کے ساتھ رقص کر رہا تھا،کبھی اس کی آنکھیں چند سیکنڈ کیلیے بفرطِ سرور بند ہو جاتیں اور کبھی وہ نیم وا آنکھوں سے جوڈی کو دیکھنے لگتا۔پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پال اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کر رہا ہے۔وہ جب رقص کرتے ہوئے پال کی سمت سے گزرنے لگے تو پال نے پھر اسے کاؤنٹر کی سمت دیکھنے کا اشارہ کیا،اور بالے کی نظر جب اس طرف اٹھی تو اس نے دیکھا کاؤنٹر کے بائیں سرے پر ہاں اس وقت مدھم روشنی تھی،کوئی آدمی اسے کھڑا گھور رہا تھا۔بالے کے لبوں پر ایک شریر مسکراہٹ دوڑ گئی۔اس نے جوڈی کو اور اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ گھبرا سی گئی۔

''یہ رقص کے اصول کے خلاف ہے۔''اس نے دبی زبان سے کہا۔

''جب بات دل تک آجائے تو کوئی اصول اصول نہیں رہ جاتا۔''

''کیا مطلب؟''جوڈی چونکی۔

''اوہ،کچھ نہیں۔میں تو یونہی...یعنی میرا مطلب ہے رقص کی بات کہہ رہا تھا۔بھلا دل نہ ملیں تو ساتھ ناچنے سے فائدہ۔''

''آپ اپنا دل کہیں اور پھینکیے،مجھے دلچسپی نہیں ہے۔''وہ اس کی باہوں سے الگ ہوتے ہوئے بولی،لیکن اسی وقت ایک دوسری لڑکی جو ایک ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ ناچ رہی تھی،اسے چھوڑ کر بالے سے آٹکرائی۔وہ دیر سے اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی

تھی۔اس نے کچھ اس بے تکلفانہ انداز میں بالے کے ہاتھ تھام لیے کہ بالے سے انکار کرتے نہ بنا۔ جوڈی البتہ رقص گاہ سے نکل گئی تھی اور بالے نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اسکی پیروی کرے۔پال نے جس آدمی کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ اب کاؤنٹر سے ہٹ کر باہر کی طرف جا رہا تھا اور جوڈی کے قدم بھی باہر کی سمت ہی اٹھ رہے تھے۔بالے نے شوکت کی طرف دیکھا، اس کا یہ عالم تھا جیسے گھوڑوں کے غول میں کوئی گدھا آ پھنسا ہو۔کبھی اس کی نگاہیں رقص کرتے ہوئے آدمیوں اور عورتوں کے پیروں پر پہنچتیں اور وہ ان کی نقل کرتا نظر آتا اور کبھی ڈروتھی کی طرف ایسی یتیم نظروں سے دیکھتا جیسا اپنی حماقت کا اعتراف کر رہا ہو۔

''آپ تو فضول شرما رہے ہیں، مسٹر شوکت۔''ڈروتھی نے ٹوکا۔

''نہیں۔وہ بات یہ ہے کہ اپنے خاندان میں، یا نی سچ پوچھو تو اپنی سات آٹھ نسلوں میں کبھی مرد ناچتے نہیں دکھائی دیے۔اور مرد کیا، ہمارے یہاں تو عورتیں بھی کبھی ناچنے کی ہمت نہیں کرتیں۔''شوکت نے معصومیت سے جواب دیا۔

''آپ قدامت پسند لوگوں میں سے ہیں۔''ڈروتھی منہ بنا کر بولی۔

''اے لو، قیامت پسند کائے کو۔یا نی کہ...ارے مگر آپ تو اردو بھی بول لیتی ہیں۔''

شوکت نے چونک کر کہا۔''میں اردو، ہندی، انگریزی سب زبانیں جانتی ہوں۔''

''تب تو آپ کو کسی اسکول کا پروفیسر ہونا چاہیے تھا۔''

''پروفیسر کالجوں میں ہوا کرتے ہیں۔''

''ہوتے ہوں گے۔''شوکت نے برا ماننے والے انداز میں کہا۔''میں تو ناچ کا کے رہا تھا کہ اپنے خاندان میں ناچنے والے کو...یا نی کہ مرد کو...وہ کہتے ہیں۔''

''کیا؟''اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

''ارے وہ، باندے ماندے میں بھوت ہوتے ہیں۔یا نی کہ تیسری قوم۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''اے لو، وئی بات ہوئی یہ تو۔ یانی کہ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔''

''خیر میں سکھا کے رہوں گی آپ کو۔''

''شوکریا، شوکریا۔'' شوکت نے گردن ہلائی۔

مگر جھینپ کے خیال سے جب اس نے پلٹ کر بالے کی طرف دیکھا تو وہ جا چکا تھا اور اس کی جگہ اس لڑکی کے ساتھ پال ناچ رہا تھا۔

''لیجیے، اُدر جوڑا ہی بدل گیا۔''

''شاید آپ کے دوست کہیں چلے گئے۔''

''یہ سالے پولیس والے ہوتے ہی ایسے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے دماغ خراب ہوتا ہے ان کا۔ یانی کہ جا رہے ہیں مشرق اور کچھ یاد آیا تو چل دیے مغرب۔''

بالے کو نہ جانے کیوں جوڑی پر شبہ ہو گیا۔ وہ دربان کے بتائے ہوئے حلیے سے بالکل مطابقت تو نہیں رکھتی تھی، پھر بھی اس کے خدوخال ملتے جلتے ضرور تھے۔ البتہ نہ تو اس کی ٹھوڑی کے نیچے تل تھا نہ بال ویسے تھے۔ وہ اس کی گھبراہٹ سے بھی اس بات کا اندازہ کر چکا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ بل شوکت کے نام تھا، اس لیے وہ سیدھا ہی باہر نکلتا چلا گیا۔ جس وقت وہ پورٹیکو سے باہر آیا تو وہ لڑکی ایک کار میں نظر آئی۔ کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ بالے کو یاد آیا کہ شوکت کی کار باہر موجود ہے، مگر چابی؟ اور یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا، کیونکہ خان کی کار کے استعمال کے سلسلے میں سیلف کی سوئچ کی ایک فاضل چابی اس کی جیب میں ہمیشہ رہا کرتی تھی۔ اور وہ شوکت کی گاڑی میں لگ گئی۔

کچھ دیر بعد آگے پیچھے دو گاڑیاں بازاروں اور سونی سڑکوں سے گزرتی ہوئی لال چند روڈ پر پہنچ گئیں۔ بالے دیکھ چکا تھا کہ اگلی کار میں اس لڑکی کے علاوہ ایک آدمی اور بھی موجود ہے جو کار ڈرائیو کر رہا ہے اور یہ یقیناً وہی رہا ہوگا جسے اس نے کاؤنٹر کے پاس کھڑے دیکھا تھا۔

لیکن ایک موڑ پر اچانک ایک کار اس کی کار کے سامنے آ گئی اور اسے بریک لگانے

پڑے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا راستہ روکنے والی کار خان کی تھی۔

''کمال ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔ ''یہ تو وہی بات ہوئی کہ پتھر کہاں سے آیا...؟''

''تمہارے سر سے۔'' خان نے بات کاٹ دی۔ وہ اپنی کار گھما کر اس کے قریب لے آیا تھا۔ ''میں نے تمہیں کیا ہدایت دی تھی؟''

''نیک ہدایت صرف اوپر والا دیتا ہے۔''

''ان کا پیچھا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، مجھے معلوم ہے ہے وہ کہاں جائیں گے۔''

''تو کیا وہ لوگ بھی آپ کی لسٹ پر ہیں؟''

''اب اتنے گدھے نہ بنو، یہ وہی لڑکی ہے۔ صرف چہرے پر ایک تل کی کسر ہے اور بالوں پر ایک وگ۔''

''تو پھر میرا شبہ غلط نہ تھا۔'' بالے کار سے اتر کر خان کی کار کی کھڑکی سے ٹک کر کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

''معاملات ابھی تک راز میں ہیں۔ ایسی صورت میں علی الاعلان تمہیں ان پر شبے کا اظہار کر کے ان کا تعاقب کرنے کی حماقت نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

''حماقت کہاں، میں تو محبت کر رہا تھا۔ آج کل کے ۹۰ فیصدی نوجوان محبت میں ہی پیچھا کیا کرتے ہیں۔''

''بک چلے بس، میں نے تمہیں ان میڈیکل اسٹورز پر نظر رکھنے کو کہا تھا نا؟''

''خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال۔''

''موسیٰ سے تو نہیں، تم سے البتہ پوچھ سکتا ہوں۔''

''آپ دھمکی دے رہے ہیں، حالانکہ میں کتنی سعادتمندی سے محنت کر رہا ہوں۔''

''تمہیں معلوم ہے وہ آدمی کون تھا جس کی موت ڈاکٹر کے ہاتھوں واقع ہوئی ہے؟''

Akram Allahabadi

''کوئی لاوارث۔''

''نہیں، وہ رستوگی تھا۔''

''رستوگی؟ جام نگر کا مفرور قیدی؟'' بالے نے چونک کر کہا۔

''ہاں۔'' خان نے کہا۔ ''یہاں وہ انڈین ڈرگ اسٹورز کے وین ڈرائیور کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے۔ اس نے داڑھی مونچھیں صاف کر کے اپنا حلیہ بدل رکھا تھا۔''

''مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ جام نگر سے تو اس کا فوٹو بھی نہیں آیا تھا۔''

''میں نے احتیاطاً اسپتال میں اس کے فنگر پرنٹ نکلوا لیے تھے۔ اس کی لاش کے فوٹو سے جام نگر پولیس کا ایک انسپکٹر شناخت کر چکا ہے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ کافی لمبا چوڑا ہے۔''

''رستوگی خون کے جرم میں سزا بھگت رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس جیسے آدمی کو استعمال کرنے والا گروہ یا آدمی کوئی خطرناک مقصد ہی رکھتا ہوگا۔''

''تو کیا آپ ابھی تک کیس کی بنیاد پر نہیں پہنچ سکے ہیں؟''

''تقریباً یہی بات ہے۔ ایک لاوارث آدمی کی حیثیت سے ڈاکٹر کے پرائیوٹ اسپتال میں رستوگی کی پراسرار موت واقع ہوئی ہے۔ اسے ایک لڑکی لے کر وہاں تک آئی تھی۔ ڈاکٹر اس لڑکی سے لاعلمی ظاہر کرتا ہے، لیکن اگر اس کے بیان کو صحیح سمجھ لیا جائے تو پھر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رستوگی کیوں کسی سرکاری اسپتال میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ دوسری طرف ڈاکٹر کی پوزیشن بھی صاف نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکی کے متعلق دربان کا بیان بھی اس سے بلوایا گیا کوئی جھوٹ ہی ہو اور اس جھوٹ کو قائم رکھنے کیلیے دربان کو ختم کر دیا گیا ہو۔''

''مگر دربان تو شراب کے نشے میں کار کے سامنے آ کر مرا ہے۔''

''نہیں، بالے صاحب۔ وہ اگر اس قدر مدہوش ہوتا کہ موت اور زندگی کا فرق اسے محسوس نہ ہو سکے تو پھر باہر نکل کر پیدل چلنا کیا معنے۔ وہ وہیں پیتے پیتے ڈھیر ہو گیا ہوتا، یا

گرتا بھی تو کسی شراب خانے کے باہر یا قریب۔ مگر جہاں وہ واردات ہوئی ہے، اس کے آس پاس ایک دو میل تک کوئی شراب خانہ نہیں ہے۔'' خان نے کہا۔ ''اور معلوم تو یہ ہوا ہے کہ وہ کبھی شراب پیتا بھی نہ تھا۔''

''بات تو یوں بھی سمجھ میں آتی ہے۔''

''بس تو جس آدمی نے اس ایکسیڈنٹ کی گواہی دی ہے تو اس کی خبر لو۔''

''اس کا نام و پتہ وغیرہ؟''

''اسی علاقے کے پولیس اسٹیشن سے حاصل کرلو۔''

''تو کیا اس لڑکی کو معاف کر دیا ہے آپ نے؟''

''نہیں۔ لیکن اس کیلیے ابھی ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے تلاش کر لینا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔''

''اور تب تک وہ اس بندۂ بے دام کو بھول گئی تو؟''

''تو سنیاس لے کر تیرتھ یاترا پر نکل جانا۔''

''وہ تو جانا ہی پڑے گا ایک دن۔ پولیس کی نوکری ہی ایسی ہے کہ پاپ دھوئے نہ نکل سکیں گے۔''

''کسی لانڈری میں دے دینا۔''

''زندگی میں ایک اچھی بات کہی ہے آپ نے۔''

''اچھا بس، بکو مت، مجھے جلد از جلد رپورٹ چاہیے۔ تم ۲/۱۲ بجے کے بعد مجھے ۲۵۳۱۷ پر فون کر سکتے ہو۔''

''او کے، باس۔''

یہ کہہ کر وہ ہٹا ہی تھا کہ خان نے اپنی کار مخالف سمت میں آگے بڑھا دی۔

☆☆☆☆☆☆

نگرانی

ڈاکٹر سید کی ڈسپنسری کے دروازے بھرے ہوئے تھے۔ یہ وقت اس کے ڈسپنسری میں موجود ہونے کا ہی تھا، لیکن دروازے بھڑے ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ابھی مریضوں کے اندر آنے کا وقت نہیں ہوا ہے۔ ڈاکٹر کے روم میں سپرنٹنڈنٹ خان موجود تھا۔

''میرا تو خیال ہے کہ اے ٹی سی زیادہ مقدار میں دے دینے سے بھی مریض کی موت واقع ہوسکتی ہے۔'' ڈاکٹر اسے بتا رہا تھا۔

''لیکن ڈاکٹر بٹ کے بیان سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اے ٹی سی کے نقلی ہونے کا شبہ ہے۔'' خان نے بتایا۔

''ہوسکتا ہے، کیونکہ جعلی دوا ساز بڑی ہوشیاری سے دواؤں کی نقلیں کرنے لگے ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں بلاوجہ ڈاکٹر بٹ جیسے آدمی پر کسی قسم کا شبہ کرنے کا مشورہ نہ دوں گا۔''

''شبے کا ابھی سوال ہی نہیں، تاوقتیکہ ہمیں صحیح طور پر رستوگی کی موت کے اسباب اور اس کے ساتھ ایسا کیے جانے کا مقصد نہ معلوم ہو جائے۔'' خان نے بتایا۔

''اس کی موت کے اسباب کی رپورٹ تو پوسٹ مارٹم سے مل چکی ہے۔''

''کیا آپ اسے ڈاکٹر بٹ کی بھول قرار دے سکتے ہیں؟ ممکن ہے اے ٹی سی کی مقدار بھول سے زیادہ ہوگئی ہو؟''

''میں نہیں جانتا۔ کوئی بھی ڈاکٹر ایسی دوا استعمال کرتے وقت لازم طور پر محتاط ہوا کرتا ہے۔'' ڈاکٹر سید نے بتایا۔

''میرا خیال ہے آپ دوستانہ طور پر ڈاکٹر بٹ سے ملاقات کیجیے۔'' خان نے ڈاکٹر

سید سے فرمائش کی۔ ''پولیس کا تذکرہ درمیان میں نہ آئے۔''

''میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔'' ڈاکٹر سید مسکرایا۔ ''مگر آپ اس سے اگلوانا کیا چاہتے ہیں؟''

''یہی کہ اس کیس کے بارے میں واقعی طور پر اس کا کیا خیال ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''مگر آپ اس کیس میں اتنی گہری دلچسپی کیوں لے رہیں؟'' وہ خان سے سوال کر بیٹھا۔

''یہ محض ایک آدمی کے علاج میں کسی بھول سے مرجانے کا ہی کیس نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب، مجھے شبہ ہے کہ رستوگی کی موت کسی پراسرار سلسلے سے تعلق رکھتی ہے۔''

''آپ کے شبہات بالعموم صحیح ہی نکلا کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر سید مسکرایا۔

''اچھا یہ بتایے، کیا آپ کسی تندرست آدمی کو بھی دماغ کی ٹی بی کا مریض قرار دے سکتے ہیں؟''

''ایسا اتفاق سے ہی ہوتا ہے، ورنہ عام طور پر ایسے مریض نحیف اور لاغر ہی ہوتے ہیں۔ ویسے خون اور ریڑھ سے نکالے ہوئے پانی کو ٹیسٹ کیے بغیر ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''کیا یہ ٹیسٹ ڈاکٹر بٹ کی ڈسپنسری یا پرائیوٹ اسپتال میں بھی ہو سکتا ہے؟''

''ہاں، ہاں، اس کیلیے کسی باقاعدہ لیبو ریٹری کی ضرورت نہیں، البتہ مائکرو اسکوپ ضروری ہے۔''

بات ابھی یہیں تک ہو پائی تھی کہ ڈاکٹر کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کا ڈائل نمبر ۲۵۳۱ ہی تھا۔ ڈاکٹر نے رسیور اٹھا کر سننے کے بعد خان کی طرف بڑھا دیا۔

''آپ کے شاگردِ رشید ہیں۔''

Akram Allahabadi

''ہیلو۔'' خان نے ماؤتھ پیس پر کہا۔

''بالے خاں میاں سارجنٹ اسپیکنگ۔''

''بکواس نہیں۔''

''شوکت کی زبان بول رہا تھا۔ ویسے دیکھ رہا ہوں آپ ان دنوں بہت چڑ چڑے ہوتے جا رہے ہیں۔''

''صرف کام کی بات۔''

''کام کہاں مل رہا ہے، بے روزگاری تو ویسے ہی بڑھ رہی ہے...''

''بالے۔'' خان کا لہجہ بدل گیا۔

''غلام حاضرِ ٹیلی فون ہے۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔ ''رپورٹ یہ ہے کہ ڈاکٹر کے دربان کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کے چشمِ دید گواہ نے اپنا جو نام اور پتہ پولیس اسٹیشن پر لکھوایا تھا، وہ دھوکا ہے۔''

''تمہیں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ملا ہوگا، یہی نا۔''

''جی ہاں، بلکہ اس حلیے کا بھی نہیں، جس فلیٹ کا اس نے پتہ لکھایا ہے وہاں ایک بوڑھا مدراسی اپنے بال بچوں سمیت رہتا ہے۔''

''مجھے پہلے ہی شک تھا۔''

''تو پھر خاکسار کو کیوں پریڈ کرائی گئی؟''

''تاکہ تصدیق ہو جائے۔ بہر حال تم اس آدمی کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ اور ہاں، جس کی کار سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ؟''

''اس کی بھی ضمانت ہو چکی ہے اور امید ہے کہ اس کا نام اور پتہ بھی عین غین ہوگا۔''

''ضمانت کس نے لی تھی؟''

''نقد ضمانت، پانچ سو روپے، بھرنے والا تاراچند کھیمکا۔

Akram Allahabadi

''پتہ؟''

''فراڈ، صرف ضمانت کے پانچ سو ہی سرکار کے ہاتھ لگے۔''

''خیر کیس تو اوپن ہو گیا۔ اور یہ بہت اچھا ہوا، ورنہ وہ کمبخت عقلمند ہوتا تو بڑی آسانی سے اسے اتفاقیہ حادثہ قرار دلا سکتے تھے۔ قانون کیلیے ان پر شبہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی۔''

''اور آپ جو بیٹھے ہوئے ہیں قانون کے وغیرہ وغیرہ۔''

''ابھی تک میں ان کی نظر میں نہیں ہوں۔''

''اور کوئی حکم۔''

''جس طرح ممکن ہو ان دونوں کا پتہ چلاؤ۔''

''مجھے پھر گھنیری زلفوں کا سایہ تلاش کرنا پڑے گا۔''

''مطلب؟''

''وہی لڑکی۔''

''وہ تمہیں انڈین ڈرگ اسٹورز میں مل سکتی ہے، لیکن اندر پیکنگ ڈپارٹمنٹ میں کام کرتی ہے۔''

''تو اجازت ہے۔''

''سراغرسانی کی، جذبۂ عشق آزمانے کی نہیں۔''

''عشق کون گدھا کرتا ہے یہاں، وہ تو بس...''

''بس بس، فضولیات کیلیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر خان نے رسیور رکھ دیا اور خود ڈاکٹر سید کی طرف مخاطب ہو گیا۔

''مجھے تو یہ کیس کافی الجھا ہوا اور لمبا معلوم ہوتا ہے، بہر حال اگر ممکن ہو تو ڈاکٹر بٹ کا آزما ڈالیے۔''

''کوئی خاص طریقۂ کار؟'' ڈاکٹر سید نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''شاید آپ پسند نہ کریں۔''

''دوستی کی خاطر تو کرنا ہی پڑے گا۔''

''میں شام کو بتاؤں گا۔ ویسے کوئی ایسی بات نہ ہوگی جس سے آپ کی پوزیشن ر حرف آئے۔'' خان اٹھتے ہوئے بولا۔

''وہ تو مجھے بھی یقین ہے۔'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے مصافحے کیلیے ہاتھ بڑھا دیا۔

☆☆☆☆☆☆

فون رؤف کا تھا۔ غلام رسول نے بتایا کہ دوپہر سے اس کے دو فون آ چکے ہیں اور اس نے وہ فون نمبر بھی دیا ہے جس پر خان کے آنے پر اسے اطلاع دی جا سکے۔ خان نے لباس تبدیل کیے بغیر ہی غلام رسول سے رؤف کا نمبر لے کر ڈائل کرنا شروع کر دیے۔

دوسری طرف سے ایک بھاری سی آواز سنائی دی، جو رؤف کی نہ تھی۔

''کس کو منگتا، صاحب؟''

''تم کون ہو؟'' خان نے پوچھا۔

''میں شہرزاد ایرانی ہوٹل کا مالک شاپور بولتا۔''

''کسی بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی نے تمہارے یہاں سے فون کیا تھا۔''

''ہاں صاحب ٹھہرو ٹھہرو، وہ خلیل خاں تھا، ہم اس کو بلاتا ہے۔''

اور دو منٹ کے انتظار کے بعد خان کو فون پر رؤف کی آواز سنائی دی۔

''کیا بات ہے، رؤف خاں؟'' خان نے پوچھا۔

''صاحب، تین بجے دوپہر کو ڈاکٹر بٹ سے ایک آدمی ملنے آیا تھا، میں اسے پہچانتا ہوں، وہ انڈین ڈرگ اسٹورز کا مالک تھا۔''

Akram Allahabadi

''ہُم...پھر؟''

''پھر کچھ دیر بعد ہی وہ ڈاکٹر کو ساتھ لے کر باہر نکلا اور اپنی ہی کار میں ڈاکٹر کو کہیں لے گیا۔''

''تم نے پیچھا بھی نہیں کیا؟''

''آرڈر کیلیے میں نے دوبارآپ کو فون کیا تھا۔''

''خیر، ڈاکٹر واپس آیا کہ نہیں؟''

''ابھی تک نہیں آیا۔''

''تم وہیں رہو اور ڈاکٹر اگر شام کو ساڑھے ۷ بجے تک واپس نہ آئے تو مجھے فون کرنا۔''

''بہتر ہے۔''

خان نے سلسلہ منقطع کر دیا اور دوبارہ ہیڈ کوارٹرز کو رنگ کرنے لگا۔ دوسری طرف انسپکٹر ڈیسوزا کا اسسٹنٹ سب انسپکٹر سانے موجود تھا۔

''ڈیسوزا صاحب کو بلایئے۔''

لیکن ڈیسوزا کو فون پر آنے میں دیر نہ لگی۔ چند سیکنڈ بعد ہی رسیور پر اس کی آواز سنائی دی۔

''ڈیسوزا ہیئر۔''

''انڈین ڈرگ اسٹورز کی نگرانی ہو رہی ہے نا؟''

''یس سر۔''

''کوئی اطلاع آئی؟''

''جی ہاں۔ ڈرگ اسٹرز کا مالک تقریباً ڈھائی بجے سے کہیں گیا ہوا ہے اور ابھی تک نہیں لوٹا۔''

Akram Allahabadi

''اور وہ لڑکی؟''

''وہ اسٹورز کے اندر ہی ہے، البتہ ایک آوارہ سا نوجوان اسٹورز کے باہر ٹہلتا دکھائی دیا ہے۔''

''اسے ٹہلنے دیجیے، ویسے ممکن ہو تو اسٹورز سے نکلنے والے ہر گاہک سے یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کی جائے کہ اسے اس کی خریدی ہوئی دواؤں کا کیش میمو یا رسید دی گئی ہے یا نہیں۔''

''بہتر ہے۔''

خان نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ غلام رسول پاس ہی کھڑا تھا۔

''صاحب، ناشتہ؟''

''ابھی نہیں، مجھے پھر باہر جانا ہے۔'' یہ کہتا ہوا خان غلام رسول کو یہ ہدایت کرنے کے بعد کہ بالے کا فون آئے تو اسے گھر پر واپس بلاؤ، پھر وہ باہر نکل گیا۔ اس کے پلان اسی طرح اچانک بنا کرتے تھے۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا۔ اور آرام کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ کبھی کبھی تو اسے تمام رات گھر سے باہر جاگتے گزار دینی پڑتی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اورینٹل ٹریڈرز

اس کی کار 'کارما بلڈنگ' کے باہر رک گئی۔ ونسنٹ کے بعد یہ چوتھی بلڈنگ تھی جس کی اونچائی آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔ شہر میں اتنی اونچی عمارتیں گنتی کی ہی تھیں۔

کار کو فٹ پاتھ سے ملا کر پارک کرنے کے بعد وہ عمارت کے دروازے میں داخل ہوگیا۔ یہاں دونوں طرف دیواروں پ بہت سی تختیاں لگی ہوئی تھی، جن پر مختلف فرموں کے نام تھے، جن کے دفاتر اس عمارت میں واقع تھے۔ اس کی نظریں ایک تختی پر تھم گئیں۔ اس پر لکھا تھا 'اورینٹل ٹریڈرز پانچویں منزل'۔ وہ لفٹ میں سوار ہوگیا۔ پانچویں منزل پر اور بھی کئی دفاتر تھے، بلکہ بعض بعض کمروں میں تو ایک سے زیادہ فرموں کے دفاتر تھے۔ یہ شہر کا مصروف ترین کاروباری علاقہ تھا، اس لیے یہاں دفاتر کیلیے جگہ مشکل سے ہی اور بہت مہنگی ملا کرتی تھی۔ اورینٹل ٹریڈرز کے دفتر کے دروازے پر چپراسی موجود تھا۔

''کس سے ملنا ہے، صاحب؟'' اس نے خان کو دیکھ کر سوال کیا۔

''منیجر سے۔''

چپراسی نے دروازہ کھول کر ویٹنگ رووم میں بٹھا دیا اور خود باہر چلا گیا۔ یہ کمرہ بھی ایئر کنڈیشنڈ تھا اور یہاں چاروں طرف چار صوفے اور درمیان میں ایک میز پڑی تھی، جس پر کچھ رسائل، کچھ اخبارات پڑے تھے۔ دفتر میں اس وقت بالکل سناٹا سا چھایا معلوم ہو رہا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ میٹنگ یا تو کسی ساؤنڈ پروف کمرے میں ہو رہی تھی، یا وہ کمرہ اتنے فاصلے پر تھا کہ آوازیں یہاں تک سنائی نہ دے سکیں۔ البتہ پاس والے کمرے سے کسی ٹائپ مشین کی آواز تھوڑے تھوڑے وقفے سے آ رہی تھی۔

کمرے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد خان اس کا ایک اندرونی دروازہ کھول کر

اندر جھانکنے لگا۔ اندر ایک میز پر ایک خوبصورت سی نوجوان عیسائی لڑکی کچھ کاغذات ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر چونک پڑی۔

''یس پلیز؟'' اس نے سوال کیا۔

''اندر میٹنگ ہو رہی ہے؟'' خان نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

''جی ہاں۔ کیوں کیا کام ہے آپ کو؟''

''ویٹنگ روم میں اکیلے بیٹھتے ہوئے طبیعت کچھ گھبرانے سی لگی تھی، میں نے سوچا یہاں آ بیٹھو۔''

''لیکن یہاں باہر کے لوگوں کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔'' لڑکی نے معصومیت سے کہا۔

''اوہ... مگر میں بالکل باہر کا بھی نہیں ہوں، میرا بھی بزنس یہی ہے۔''

''جی... میں سمجھی نہیں؟''

''یعنی دواؤں کا۔''

''آپ کوئی ایجنسی دینے آئے ہیں؟''

''کچھ یونہی سمجھ لیجیے۔''

''تب تو آپ کو صبح دس بجے آنا چاہیے تھا، مسٹر بارنٹ اس وقت نہیں مل سکیں گے۔''

''مسٹر بارنٹ سے مراد آپ کے منیجر؟''

''جی ہاں۔ کیا آپ ان سے ابھی واقف نہیں ہیں؟''

واقف تو ہوں، لیکن صورت سے اور عہدے سے۔ نام جاننے کی میں نے کبھی ضرورت نہیں سمجھی۔''

''بہر حال میں معافی چاہتی ہوں۔ آپ ملاقاتیوں کے کمرے میں ہی تشریف رکھیے، ورنہ مفت میں مجھے گھڑکیاں سننے کو ملیں گی۔''

Akram Allahabadi

''کوئی مضائقہ نہیں۔'' یہ کہہ کر خان نے جیب سے ایک سفید رومال نکال لیا۔اس کا ایک ہاتھ کچھ دیر سے اسی جیب میں پڑا تھا۔رومال نکال کر اس نے دو تین جھٹکے دیے اور پھر اس سے ماتھے کا پسینہ پونچھنے لگا۔

لڑکی اسے مشتبہ نظروں سے گھورتی رہی، لیکن چند سیکنڈ بعد اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔اسے نیند کی ایک جھپکی سی آئی، مگر حلق سے 'مسٹر بار...'' سے زیادہ الفاظ ہی نہ نکل سکے اور اس کا سر ٹائپ رائٹر پر ہی جھک گیا۔خان اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے کمرے کا عقبی بند دروازہ کھول کر دیکھا۔باہر ایک چھوٹی سی راہداری تھی جس کے سرے پر ایک دروازہ تھا، جس میں ایک چھوٹی سی شیشے کی کھڑکی لگی ہوئی تھی۔دبے پاؤں اس کے نزدیک پہنچ کر جب خان نے اس شیشے سے اندر جھانکا تو وہ یہ دیکھ کر فوراً چونک پڑا کہ اندر کمپنی کے منیجر کے علاوہ دو دوسرے انجانے آدمی اور ڈاکٹر بٹ اور انڈین ڈرگ اسٹورز کا منیجر ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ان کی آوازیں صاف سنائی نہیں دے رہی تھیں، لیکن علمِ قیافہ کے علاوہ خان ہونٹوں کی حرکت سے ادا کیے جانے والے الفاظ کو جان لینے کی بھی مہارت رکھتا تھا۔

اندر منیجر ڈرگ اسٹورز کے منیر سے کہہ رہا تھا۔

''بازار میں مال بالکل نہیں ہے اور جو ہے وہ آٹھ گنے داموں بک رہا ہے۔''

''مگر ستمبر میں سرکاری مال آنے والا ہے۔'' ڈاکٹر بٹ نے کہا۔

''وہ محض نام کیلیے ہے۔''

''بہرحال مجھے زیادہ مال چاہیے، صرف اتنے سے کام نہیں بنے گا۔'' ڈرگ اسٹورز کے منیجر نے کہا۔

''نئے مہمان کا کیا ہوا؟'' اجنبیوں میں سے ایک نے بھاری آواز میں کہا۔

''آج آجائے گا۔'' فرم کے منیجر نے جواب دیا۔

''اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔'' دوسرا اجنبی بولا۔

''خبر کہاں سے لیک ہوئی تھی؟'' پہلے اجنبی نے سوال کیا۔

''کوئی خبر نہیں، محض شبہ ہے۔''

''اور تابوت؟'' انڈین ڈرگ اسٹورز کے منیجر نے پوچھا۔

''حساب لائے ہو؟'' اورینٹل ٹریڈرز کے منیجر بارنٹ نے کہا۔

''یہ رہے۔'' انڈین ڈرگ اسٹورز کے منیجر نے اپنی جیبوں سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر میز پر رکھ دیں۔ ''دو لاکھ ہیں۔''

''رات کو ساڑھے ۱۲ بجے کے بعد۔'' بارنٹ نے نوٹوں کے بنڈل ٹیبل کی دراز میں کھسکاتے ہوئے کہا۔

''کوئی نئی بات؟'' ان نامعلوم آدمیوں میں سے ایک نے سوال کیا۔

''ڈیوس کو باہر بھیج دیا گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے آج کی میٹنگ برخاست ہونی چاہیے، میرے سر اور بھی ذمے داریاں ہیں۔'' ڈاکٹر بٹ نے تجویز پیش کی۔

''ڈاکٹر، تم آج کل کچھ کھنچے کھنچے سے نظر آ رہے ہو؟'' بارنٹ نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

''نہیں تو۔'' ڈاکٹر گھبرا گیا، لیکن پھر فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پا کر بولا۔ ''پولیس کا رویہ ابھی تک میری طرف سے صاف نہیں ہے۔''

''تمہیں اس کی فکر نہیں ہونی چاہیے، تم ایک باعزت شریف آدمی ہو، وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔'' بارنٹ نے جواب دیا۔

اس کے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اٹھنے والے ہوں۔ خان نے ایسنر کی شیشی نائپسٹ کی ناک سے لگا دی اور پھر اسے جیب میں رکھ کر باہر ویٹنگ روم میں آ گیا۔ نائپسٹ کو ہوش آ گیا اور وہ سر کو جھٹکتی ہوئی سیدھی ہو گئی۔ خان نے اس وقت پھر اس کے کمرے میں

جھانک کر دیکھا۔ وہ حیران حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا میٹنگ ختم ہوگئی، میڈم؟ مجھے مسٹر بارنٹ سے ملنا ہے، میں انتظار کر رہا ہوں۔'' خان نے وہیں سے اسے مخاطب کیا۔

''ابھی نہیں، انتظار کیجیے۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولی اور اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ شاید اسے خود یہ شبہ ہوگیا تھا کہ وہ اونگھ گئی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہ آیا کہ اس سے پہلے یہ ملاقاتی اندر گھس آیا تھا اور...

شاید ان لوگوں کے باہر جانے کا راستہ ویٹنگ روم سے نہ تھا، کیونکہ خان ان کے قدموں کی چاپ سنتا رہا۔ وہ باہر نکل چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی دروازہ کھلا اور وہی نائیٹ لڑکی خان کو سامنے کھڑی نظر آئی۔

''مسٹر بارنٹ اس وقت کسی سے نہیں ملیں گے، آپ کسی دوسرے وقت آیئے۔'' اس نے انگریزی میں کہا۔

''کوئی بات نہیں، میں پھر آجاؤں گا۔'' خان یہ کہہ کر اٹھا اور باہر جانے لگا۔ اس وقت اس نے دیکھا پارٹیشن میں بنے ہوئے دو باریک سوراخوں سے دو آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔

ڈاکٹر بٹ باہر کھڑی ہوئی اپنی کار میں بیٹھ کر چل دیا۔ اسے اس وقت اپنی ڈسپنسری پہنچنے کی بھی جلدی تھی۔ آج اس کے کچھ خاص مریض آنے والے تھے۔ اس نے کار کی رفتار کافی تیز کر رکھی تھی، لیکن برج کی ڈھلوان سے اترتے ہوئے جب اسے کار کو بریک لگانا پڑا تو خوف سے آنکھیں پھیل گئیں۔ کار کا بریک لوز تھا۔

''ہیلپ... ہیلپ...'' وہ چلایا اور ادھر ادھر چلتے ہوئے راہگیر چونک پڑے۔ اسے کار کو گیئر میں ڈال کر آہستہ کرنے کی کوشش کی، لیکن بانٹ سے نکلنے والے دھوئیں اور اس کی بدبو نے بتایا کہ کلچ پلیٹیں جل رہی ہیں۔ اور اس نے اسٹیرنگ سنبھالنے کی بہتری کوشش کی،

سامنے آتی ہوئی دو ایک گاڑیوں سے تصادم بھی بچایا، مگر ڈھلوان پر پہنچنے کی طرف آتے آتے گاڑی کی رفتار بہت تیز ہو چکی تھی۔ وہ سیدھی دوڑتی ہوئی پل کے بعد کے موڑ پر ایک فوٹو گرافر کی دکان سے اس زور سے ٹکرائی کہ آدھی کار دکان کی تصویروں والے فریموں کو چور کرتی ہوئی اندر گھس گئی اور فوٹو گرافر کا نوکر بے چارہ اس کی زد میں آ کر کار کے اگلے حصے اور فریموں اور شکستہ کاؤنٹر کے درمیان پس گیا۔ آس پاس کی تمام دکانوں کے آدمی اور راہ گیر دوڑ پڑے۔ چوراہے پر کھڑا ہوا پولیس مین بھی بھاگتا ہوا آ پہنچا۔ اس نے پاس ہی کے ایک اسٹورز سے اپنے پولیس اسٹیشن کو پہلے فون کیا اور جائے حادثہ سے پبلک کی بھیڑ کو پیچھے ہٹانے لگا۔ گاڑی کا اگلا حصہ مع ونڈ اسکرین وغیرہ کے چور ہو چکا تھا اور اس کا انجن پچھلی نشست تک اندر گھس آیا تھا اور ڈاکٹر کی لاش اس کے نیچے کچلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ پولیس اسٹیشن قریب ہی تھا، اس لیے مزید پولیس کے آنے میں دیر نہ لگی۔ کار کا نمبر دیکھتے ہی سب انسپکٹر چونک پڑا۔ اسے اس نمبر کی کار اور ڈاکٹر بٹ کے بارے میں ہیڈ کوارٹرز سے خفیہ ہدایات تھیں۔ اس نے کانسٹیبلوں کو ہدایت کی کار کے قریب کسی کو نہ جانے دیں اور خود فون کرنے کیلیے اسی اسٹورز میں چلا گیا۔ اسے ہدایت کے مطابق یہ اطلاع سپرنٹنڈنٹ خان کو دینا چاہیے تھی، لیکن وہ وہاں موجود نہ تھا، نہ ہی کنٹرول روم کو خبر تھی کہ وہ کہاں ہے، اس لیے انسپکٹر ڈیسوزا کو فون پر سب انسپکٹر نے اس حادثے کے بارے میں اطلاع دے دی۔

ڈیسوزا نے اسے ہدایت کی یہ سی آئی ڈی کے تعلق کا کیس ہے، اس لیے اس کے آنے تک کسی قسم کا اقدام نہ کیا جائے۔

ڈیسوزا فون پر سب انسپکٹر کو ہدایات دینے کے بعد باہر نکل ہی رہا تھا کہ بالے آ پہنچا۔

''خیر تو ہے، بڑے سرگرم نظر آ رہے ہیں آپ؟'' اس نے ڈیسوزا کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''ڈاکٹر بٹ کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ خان صاحب کہاں ہیں؟'' اس نے بالے

سے پوچھا۔

''خان صاحب ڈاکٹری نہیں کرتے۔''

''لیکن میں تو کرتا ہوں، کہو تو تمہارا علاج کر دوں؟''

''ہائے، مریضِ عشق کا کوئی علاج کیا جانے۔''

''چڑیا گھر میں بہت سے کٹہرے خالی ہیں، ویسے تمہیں ابھی میرے ساتھ چلنا ہے۔''

''چلنا ہی پڑے گا؟'' بالے نے بے بسی سے پوچھا۔

''خیال تو ایسا ہی ہے۔''

''تو پھر چل اے نوجوان۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈیسوا کے ساتھ ہو لیا۔

اسٹاف کار موجود تھی، وہ اسی وقت موقعۂ واردات کیلیے روانہ ہو گئے۔ ڈیسوزا نے اپنے اسسٹنٹ کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر خان صاحب آ جائیں، یا ان کا فون آئے تو فوراً انھیں اس حادثے سے مطلع کر کے یہ بتا دے کہ ہم لوگ وہیں گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نئی سنک

''وہ پری..آئی ہے... ہاتھ میں لوٹا لیے...یہی تو ہے...یہی تو ہے...وہ...''

''نہیں ناچتا جاؤ۔''شوکت کا موڈ اچانک بگڑ گیا اور اس کے ساتھ ناچنے والی اینگلو انڈین لڑکی بھی رک کر حیرت سے دیکھنے لگی۔

''کیوں..؟''بالے نے پیانوں پر انگلیاں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم مزاخ اڑا رہے ہو میرا۔''شوکت نے روٹھنے والے انداز میں کہا۔

''یہ کس گدھے نے کہا تم سے۔''

''اور نہیں تو کیا، پری لوٹا لے کے کائے کو آئے گی؟ یہ گانا ہے سالا۔''

''تو میں کیا کروں؟ اس فلم میں ایسی ہی سچویشن ہو گی، جس میں ایک پری لوٹا لیے بیت الخلا کی طرف...''بالے نے سنجیدگی سے کہنا چاہا، مگر شوکت نے کسی بوڑھی نوٹنکہ کی طرح ہاتھ ہلا کر بات کاٹ دی۔ وہ اینگلو اینڈین لڑکی جو شوکت کو انگریزی کے رقص سکھانے آئی تھی، رومال منہ پر رکھ کر اپنی ہنسی چھپانے لگی۔

''میاں خاں، میں نے خود دیکھی ہے وہ فلم۔ وہ پری نہیں تھی، سالی وحیدہ رحمانی تھی۔''شوکت نے دلیل پیش کی۔''اور لوٹا لے کے ہرگز نہیں آئی تھی۔''

''وحیدہ رحمٰن۔''بالے نے تصحیح کی۔

اے لو لڑکی ہو کے رحمٰن کیسے ہو سکتی ہے، یانی کہ مذکر۔''

''اور وحیدہ کیا تمہارے ابا جان کا نام ہے۔''

''کائے کو۔ تمہارے خود ابا جان کا۔ باپ ماپ تک مت پونچا کرو، خاں، نہیں تو سارا جنٹی بھلا دوں گا۔''

''واہ بیٹے، نیکی کر دریا میں ڈال۔ایک تو میں اپنا وقت خراب کر کے موسیقی کی دھن پر انگریزی ناچ سکھوا رہا ہوں، اوپر سے نخرے دکھا رہے ہو۔''

''تو تم باپ تک کائے کو پہنچ گئے تھے۔''

'' بکو مت، تمہارے باپ بھوپال میں ہوں گے اور میں بھوپال کبھی نہیں پہنچا۔''

''اچھا چلو گاؤ، جو جی میں آئے۔''

''ابے او چونگھٹ، میں گویا نہیں ہوں، تمہارے ناچ پر گنگنانے لگا تھا۔''

''اے لو تو کیا میں کوئی وجے جنتی مالا ہوں۔''

''چلو بکواس مت کرو، سیکھنا ہے تو سیکھو، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''کوئی اور دھن بجاؤ، خاں، یہ پری مری نئیں چاہیے۔''

''اچھا تو، مٹر جان۔''

''نئیں نئیں، وہ تو چھوکری گاتی ہے۔''

''اینا مینا ڈیکا۔''

''ڈیکا میگا بھی نئیں۔''

''تو چل چل رے نوجوان۔''

''ہاں، اچھا ہے، چل چل رے نوجوان۔''شوکت نے ہوا میں گھونسہ لہرا کر نوجوانی کا مظاہرہ کیا۔

''اچھا آج کی ٹریننگ ختم۔''بالے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو پھر کب؟''

''جب فرصت ملی۔''

''اور یہ چھوکری رکھی ہے ناچ سکھانے کیلیے؟''

''اس سے ناچ کا طریقہ سیکھتے رہو۔''

Akram Allahabadi

''مگر بالے بھائی۔''شوکت کا لہجہ خوشامدی ہوگیا۔''میں سیکھ گیا تو پھر ڈروتھی ناچے گی نا میرے ساتھ؟''

''ابے ایک ڈروتھی تو کیا، ہزار ڈروتھیاں تمہارے ساتھ ناچنے کیلیے کیو لگا کر کھڑی رہا کریں گی۔''

''سچ؟''

''خود دیکھ لو گے۔''

''تمہارے منہ میں گھی شکر۔''شوکت نے رشتے کی خبر سننے والی کنواری لڑکی کی طرح شرما کر کہا۔

''اب چلو تیار ہو جاؤ، چلنا ہے۔''بالے نے چلتے چلتے پھر شوشہ چھوڑ دیا۔

''کائے کو، کچھ معاملہ ہے کیا؟''

''بھوت تگڑا معاملہ۔''بالے نے اسی کی زبان میں جواب دیا۔

''وہ بھی آئے گی کیا؟''شوکت کا اشارہ ڈروتھی کی طرف تھا۔

''وہ نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔''

''کائے کو اور سہی، میاں خاں، مجھے مت پڑھاؤ، جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں۔''شوکت نے عجیب سا جملہ کہا۔

''کیا مطلب؟''

''ارے وہ کتاب وتاب میں لکھا ہوتا ہے نا، یا نی اور کوئی نئیں لے سکتا۔''شوکت نے معصومیت سے اپنا مفہوم ادا کیا، مگر بالے کو بمشکل اپنی ہنسی روکنی پڑی۔

''پبلشر کسے کہتے ہیں؟''اس نے شوکت سے سوال کیا۔

''میں کیا جانوں، کوئی میں وہ ہوں، یا نی کہ مصنف۔''

''یہ کہاں لکھا تھا؟''

Akram Allahabadi

"اس کتاب میں، جہاں مصنف بھی تھا اور بجق پبلشر بھی تھا، مصنف بجق پبلشر کو ضرور جانتا ہوگا۔" شوکت نے تشریح کی۔

"اوگدھے۔" بالے کی ہنسی نہ رک سکی۔

"تم خدمیاں خاں، آدمی کتابوں سے ہی منشی فاضل اور مولوی بی اے بنتا ہے۔"

"تم کیا بننا چاہتے ہو؟" بالے نے پوچھا۔

"کوچھ نہیں۔" شوکت نے یہ محسوس کر کے کہ وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے، منہ لٹکا لیا۔

"اچھا جلدی کرو، وقت کم ہے۔"

اور شوکت لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔

شوکت کی کار انڈین ڈرگ اسٹورز کی عمارت سے نصف فرلانگ کے فاصلے پر کھڑی تھی اور وہ دونوں کار میں تھے۔

"تم تو مونجبی چل رہے تھے، بالے بھائی؟"

"چغد ہیں آپ۔ ارے یہیں سے تو پیچھا کرنا ہے اس کا۔"

"کس کا؟"

"وہی اس دن والی، ڈروتھی کی سہیلی۔"

"لاقسم، ہے وہ بھی یائی کہ بس قیامت۔"

"مگر تمہیں تو ڈروتھی پسند ہے؟"

"کائے کی پسند مسند، یائی کہ وہ جو کہا ہے غالب صاحب مرزاجی نے کے چھیڑ خانی خوباں سے چلی جائے شوکت ... اور اگر نہیں عشق مشق تو لذت ہی سہی۔" شوکت نے شاعری شروع کر دی۔

"کہا تو غالب نے ہے، پھر شوکت کیوں؟"

"اے لو، اب یائی کہ اس وقت تو میں کہ رہا ہوں نا، یائی کہ شوکت۔"

Akram Allahabadi

مگر بالے نے جیسے اس کا جواب سنا ہی نہیں، وہ اپنی دھن میں کھویا ہوا تھا اور اس کی نظریں ڈرگ اسٹورز کی عمارت کے سامنے والی کٹلری کی دکان پر لگی ہوئی تھیں، جہاں دکان سے ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا ایک آدمی ربڑ کے کنگھے بیچ رہا تھا۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے آواز لگا رہا تھا۔

''دو دو آنہ... دو دو آنہ... کنگھے دو دو آنہ...''

بالے نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی اور بے چینی سے اپنی نشست پر پہلو بدلنے لگا۔ اچانک کنگھے والا انگلیوں میں دو کنگھے دبائے ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

''لیتے جانا... دو دو آنہ... لیتے جانا... بابو جی کنگھی... لیتے جانا...''

وہ ''جانا'' کے لفظ پر زور دے کر چیخ رہا تھا۔

''شوکت تم اس لڑکی سے دوستی کرنا چاہتے ہو؟'' بالے نے شوکت سے پوچھا۔

''اے لو، اللہ قسم یہ تو وئی بات ہوئی اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔''

''بس تو تمہیں اسی کا پیچھا کرنا پڑے گا۔''

''کائے کو؟''

''صرف اس کا گھر دیکھنے کیلیے، باقی میں ٹھیک کرلوں گا۔''

''اور جو کہیں کچھ گڑبڑ ہوگئی تو؟''

''بڑے بزدل ہو۔''

''کون...؟ میں...؟ میاں خاں ہوش کی بات کرو۔''

''تو پھر تیار ہو جانا، وہ آرہی ہے۔''

''اور تم؟'' شوکت بالے کو شبے کی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں کہیں بھی گاڑی سے اتر سکتا ہوں۔''

''واوا، یہ تو وئی بات ہوئی کہ بی جمالو آگ لگا کے دور کھڑی ہوئیں۔''

Akram Allahabadi

''تم گدھے ہو، بولو کہ ہاں۔''

''کائے کو، تم خد۔''

''ارے بھئی بولو تو، کوئی ہو تھوڑی جاؤ گے۔''

''اچھا جاؤ، ہاں، پھر؟''

''پھر یہ کہ وہ مجھے دیکھ چکی ہے اور مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر تمہیں بھی کوئی پولیس کا آدمی سمجھ بیٹھی تو مفت میں تمہارے ارمانوں کا خون ہو جائے گا۔''

''ہاں ٹھیک ہے، سالے پولیس والوں کو کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا۔''

''کیا فرمایا آپ نے؟'' بالے نے اسے گھور کر پوچھا۔

''اے لو، میں تو ایک عام بات کہہ رہا ہوں، میرا خیال تھوڑی ہے کوئی۔''

''وہ دیکھو، وہ نکلی۔''

بالے نے اسٹور راز کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور شوکت چونک کر دیکھنے لگا۔ جوڈی اسٹورز سے باہر آ کر ایک نظر چاروں طرف دیکھنے کے بعد آگے کی طرف بڑھ گئی، جہاں ایک چھوٹی مرسیڈیز پہلے سے کھڑی تھی۔ اس کے اسٹیرنگ پر کوئی موجود تھا۔ وہ اس کار میں بیٹھ گئی۔

''وہ جو کہا ہے کسی شاعر نے...'' شوکت نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہنا چاہا۔ ''شائر نے کچھ نہیں کہا ہے، گاڑی بڑھاؤ۔''

''بالے بھائی، کہیں معاملہ بگڑ گیا تو؟'' شوکت نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''تو کہہ دینا موجت ہو گئی، اس لیے پیچھا کر رہا ہوں۔''

''وہ بگڑ گئی تو؟''

''تو کیا ہوا؟ تم اڑے رہنا کہ مجھے تو ہے۔''

Akram Allahabadi

''کیا؟''

''موجت۔''

''پھر کیا ہوگا؟''

''وہ تم سے شادی کر لے گی۔''

''نہیں اللہ قسم۔''

''آج کل کی لڑکیاں موجت سے زیادہ شادی سے دلچسپی رکھتی ہیں، اور تم تو لکھ پتی آدمی ہو۔'' بالے نے اسے تاؤ پر چڑھایا۔

''ہاں ہاں، اور نہیں تو کیا، مگر بالے بھائی...؟''

''مگر کیا؟''

''کہیں اس کا بھی مس زوہرا بیچاری کی طرح حشر ٹیڑھا نہ ہو جائے۔''

''تم نے کسی شائر کا وہ شیر سنا ہے؟'' بالے اس کی زبان میں بولا۔

''کون سا؟ یانی کہ کیا؟''

''یانی کہ چل چل رے نوجوان۔''

شوکت نے کوئی جواب نہیں دیا، شاید وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ چوری سے شادی کر لی جائے تو کیسی رہے گی وغیرہ وغیرہ، لیکن اس انہماک کے باوجود اس نے اس سیاہ مرسیڈیز اور اپنی کار کے درمیان اس قدر ہی فاصلہ رکھا کہ یقینی طور پر کوئی نہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ اگلی کار کا ہی پیچھا کر رہی ہے۔ بالے نے جیب سے ایک چھوٹا سا آئینہ نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور ہاتھ کھڑکی سے نکال کر اس آئینے میں عقبی مناظر کا عکس دیکھنے لگا۔ اسے ایک ٹیکسی نظر آئی جو تقریباً نصف فرلانگ کے فاصلے سے ان کا پیچھا کر رہی تھی۔ آگے جانے والی مرسیڈیز کی رفتار بھی تیز نہ تھی۔

تینوں گاڑیاں آگے پیچھے آباد علاقے سے گزر کر ملز ایریا کی سونی روڈ پر گزر رہی

تھیں۔ پھر اگلی کار ایک موڑ پر دائیں سمت گھوم گئی۔

''گاڑی آہستہ کردو شوکت، اور میرے اترتے ہی تیز کر دینا۔''

''مم... مگر...''

''فکر نہ کرو، میں تم سے دور نہیں ہوں گا، لیکن میرے ساتھ دیکھ کر وہ تمہیں پسند نہیں کرے گی۔''

''اچھا جاؤ، دفا ہو جاؤ۔'' شوکت نے موٹر گاڑی گھماتے ہی آہستہ کر دی اور بالے دروازہ کھول کر تیزی سے اتر گیا۔ وہ اترتے اترتے خود ہی دروازہ بھی بند کرتا گیا اور شوکت نے کار پھر تیز کر دی۔ سامنے ہی ایک ہیئر کٹنگ سیلون تھا جس پر رائل ہیئر ڈریسرز کا بورڈ لگا تھا۔ بالے جست کر کے فٹ پاتھ کو عبور کرتا اس میں داخل ہو گیا۔ اندر کاریگر کام کر رہے تھے۔ انھوں نے اسے گاہک سمجھ کر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ بالے نے اس کے دروازے میں اوپر کی سمت لگے ہوئے شیشے سے دیکھا وہ ٹیکسی بھی اب اسی موڑ پر گھوم کر شوکت کی کار کے پیچھے جا رہی تھی۔

''آیے صاحب، کرسی خالی ہے۔'' ایک ہیئر ڈریسر نے تولیے سے خالی کرسی جھاڑتے ہوئے اسے پیشکش کی۔

''ذرا ٹھہرا، میں گاڑی میں چابی بھول آیا ہوں۔'' یہ کہتا ہوا بالے پھر باہر نکل آیا۔

موڑ پر اسے دوسری ٹیکسی تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ اس میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو آگے چلنے کی ہدایت کر کے اس نے جیب سے طاقتور لینس والی چھوٹی دوربین نکالی اور پھر کھڑکی سے سر نکال کر آگے دیکھنے لگا۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر اسے وہ ٹیکسی نظر آئی جو شوکت والی کار کو تعاقب کر رہی تھی۔

''اس ٹیکسی کا پیچھا کرو، لیکن ذرا ہوشیاری سے۔''

''مگر معاملہ کیا ہے، صاحب؟''

Akram Allahabadi

''سرکاری معاملہ ہے، جلدی چلو۔''

ڈرائیور نے اس کی ہدایت پر عمل تو کیا لیکن ناخوشگوار سے موڈ میں۔

''سرکار کونسی رعایت کرتی ہے ہمارے ساتھ، ذرا سی بات پر چالان، ذرا سی فریاد پر جرمانہ۔'' ڈائیور بڑبڑانے لگا۔

''ہرنا انصافی کا علاج ہے، بشرطیکہ شکایت کرنے کا طریقہ صحیح ہو۔'' بالے نے اس کی تسلی کیلیے کہہ دیا۔

''ہونہہ، سرکاری افسر بھی یہی کہتے ہیں۔''

''خیر کہتے ہوں گے۔ تم گاڑی تیز چلاؤ، اچھے کام کے اچھے پیسے ملیں گے۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مرمّت

کار ایک جھٹکے سے گوپال ٹینک کے ایک ویران مقام پر رک گئی۔ یہاں قریب ہی فٹ پاتھ پر تین خوفناک سی شکل کے آدمی ٹہل رہے تھے۔ کار کو رکتے دیکھ کر وہ ایک دوسرے کو کچھ اشارے کرنے لگے۔ شوکت کی سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ کار کو روکے یا آگے نکال لے جائے، مگر اس کے فیصلے کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی، کیونکہ شوکت کی کار کے پیچھے آنے والی ٹیکسی شوکت کی کار کے برابر ہی رکی۔ شوکت نے جب کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس ریوالور کی نال کا رخ شوکت کی طرف تھا۔ اس ٹیکسی میں اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک موٹے سے آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ اس سے پہلے کہ شوکت کچھ کہے، اگلی کار والی لڑکی کار سے اتر کر تیز تیز چلتی ہوئی قریب آپہنچی۔ اس کے چہرے پر غصے کی جھلک تھی۔

''کون ہے یہ؟'' ٹیکسی والے آدمی نے جو ریوالور لیے ہوئے تھا، شوکت کی طرف اشارہ کر کے جوڈی سے پوچھا۔

''یہ میں نہیں جانتی، لیکن یہ اسٹورز سے ہی میرا پیچھا کر رہا ہے۔'' جوڈی نے شوکت کو غضبناک نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''کیوں مسٹر؟ کیا معاملہ ہے یہ؟'' ہو آدمی ٹیکسی سے اتر کر شوکت کے قریب آگیا۔

''تم کیوں پیچھا کر رہے تھے ان کا؟''

''کون...؟ میں...؟ اے لو، میں تو راہ گیر مسافر کی طرح اپنے رستے جا رہا ہوں۔''

اتنے میں وہ تینوں آدمی بھی جو فٹ پاتھ پر ٹہل رہے تے، قریب آگئے اور چھٹے ہوئے بدمعاشوں کی طرح اکڑ کر کھڑے ہو گئے۔

''یہ وہ نہیں ہے۔'' ٹیکسی سے اترنے والے نے شوکت کی طرف اشارہ کر کے ان

Akram Allahabadi

سے کہا۔''جس کی ہمیں ضرورت تھی۔''

''تو پھر کون ہے یہ؟'' جوڈی نے اس سے پوچھا۔پھر وہ خود ہی شوکت کو غور سے دیکھتے ہوئے کسی سوچ میں پڑ گئی۔''مجھے یاد پڑ رہا ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔''

''لے چلو اسے، خود ہی معلوم ہو جائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے ٹیکسی سے اترنے والے آدمی نے ٹیکسی والے کو کچھ اشارہ کیا اور وہ گاڑی بیک کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔اس کے بعد وہ آدمی خود شوکت کی کار میں آ بیٹھا۔

''تم جا سکتے ہو، اس کیلیے میں کافی ہوں۔'' اس نے ان تینوں آدمیوں سے کہا اور وہ اس کا حکم پاتے ہی منتشر ہو گئے۔لڑکی اپنی کار میں جا بیٹھی اور اس آدمی نے اپنے ریوالور کا رخ شوکت کی طرف رکھ کر اسے گاڑی اگلی کار کے پیچھے چلانے کا حکم دیا۔

شوکت اس وقت دل ہی دل میں بالے کو کوس رہا تھا۔اس نے ہی اسے اس مصیبت میں پھنسایا تھا، ورنہ شوکت کو اگر یہ علم ہوتا کہ یہ تفریح ایسی مہنگی پڑے گی تو وہ پہلے ہی توبہ کر چکا ہوتا۔بہر حال حالات کچھ ایسے ہی نظر آ رہے تھے کہ اگر وہ یہ ظاہر کرنے کی بھی کوشش کرتا کہ پولیس والوں سے اس کی دوستی ہے تو شاید ان لوگوں کا سلوک اس کے ساتھ اور خراب ہی ہو جاتا۔پستول کی نال پر اسے حکم دینے والے قانون پسند لوگ نہیں ہو سکتے تھے، اب اسے یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ بالے نے اسے دانستہ ہی اس مشکل میں پھنسوایا تھا۔

''اب اگل ڈالو کہ تم کون ہو اور کیوں اس گاڑی کا پیچھا کر رہے تھے؟'' اس آدمی نے لہجے کو قدرے نرم بناتے ہوئے پوچھا۔

''کاں...گاڑی کا تھوڑی، میں تو اس کا پیچھا کر رہا تھا۔'' شوکت نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''کس کا؟''

''وئی...وہ جو بیٹھی ہے اس گاڑی میں مس فلانی۔''

''کیوں؟''

''میں بتاؤں گا تو تم برا مان جاؤ گے۔''شوکت نے بیوقوفوں کی طرح کہا۔

''نہیں،تم بتا ڈالو۔''

''سچ سچ؟''

''ہاں۔''

''جھگڑا تو نہیں کرو گے؟''

''بالکل نہیں۔''

''وہ مجھے بھوت اچھی لگتی ہے۔''شوکت کا لہجہ رازدارانہ ہوگیا۔

''بکومت۔''وہ آدمی بگڑ گیا۔

''لاَ قسم،مگر بھائی میاں،برا نہیں ماننا،تم نے وعدہ کیا ہے۔''

جواب دینے کی بجائے وہ آدمی چند منٹ تک شوکت کو گھورتا رہا۔شاید وہ اس کی شخصیت کو صحیح اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔پھر وہ آپ سے آپ ہنس پڑا۔

''تمہیں کیوں اچھی لگتی ہے وہ؟''

''اے لو، وہ ہے ای اتّی اچھی، میں کیا کروں۔یانی کہ وئی بات ہے کہ دل پرائے کے بس میں۔''

''اوہ،تو دل والا معاملہ ہے یہ۔''وہ آدمی مسکرایا۔

''بھائی میاں،تمہاری بھین ہے کیا وہ؟''شوکت نے ڈرتے ڈرتے اس سے پوچھا۔

''شٹ اپ۔''

''تم پھر برا مان گئے۔''

''تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟''اس آدمی نے پھر موڈ بدل کر سوال کیا۔

Akram Allahabadi

''مجھے کون بھیجے گا سالا، دل نہیں مانا تو اس کا گھر دیکھنے چلا آیا تھا۔ مجھے کیا مالوم تھا کہ یہ مصیبت آئے گی۔''

''پولیس نے بھیجا ہے تمہیں؟'' وہ شوکت کی بات پر دھیان دیے بغیر پھر بولا۔

''نہیں نہیں، وہ آگے کاروالی کی قسم، پولیس مولیس کے تو نام پے لعنت بھیجتا ہوں میں۔''

''تم کب سے عاشق ہوئے جوڈی پر؟'' اس آدمی نے بے باکانہ سوال کیا۔

''عاشق... کس پر؟''

''جوڈی پر، وہ اگلی کاروالی۔''

''بھوت دن ہوئے، میں نے اسے ایک کلب میں دیکھا تھا۔''

''مگر وہ تو تمہیں پہچانتی بھی نہیں۔''

''یہی تو اپنی وہ ہے۔ یانی کہ بدنصیبی۔ پہچانتی ہی ہوتی تو یہ تمہیں جمعداری کیوں کرنی پڑتی۔'' شوکت نے لمبی سی ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔

''کیا کام کرتے ہو؟''

''ٹھیکداری۔''

''کتنی آمدنی ہے؟''

''بھوت ہے، اللہ کا فضل ہے۔''

''اور اگر معلوم ہوگیا کہ تمہارا پولیس سے کوئی تعلق ہے تو تم مر کر ہی یہاں سے نکل سکو گے۔''

''تمہارا خدا ہوگا تلق ملق، میں کوئی وہ ہوں یانی کہ...''

مگر وہ آدمی شوکت کے جملے کا مطلب نہ سمجھ سکا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دونوں کاریں ایک جنگلی کریم کی باڑھ والے احاطے میں داخل ہو کر ایک پرانے سے ادھ کچے بنگلے کے سامنے رک گئیں۔اس پر پختہ کیلوں کی چھت تھی۔اس کے دروازے پر اسٹول بچھائے ایک تندرست آدمی بیٹھا ہوا تھا،جس کے بدن پر ایک چمڑے کی پرانی جیکٹ اور نیلی پتلون تھی۔اس نے فوجیوں جیسے موٹے تلے کے جوتے پہن رکھے تھے۔چہرے سے وہ کوئی شریف آدمی نہ معلوم ہوتا تھا۔

شوکت کو کار سے اتار کر اندر لے جایا گیا۔وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔

شوکت کو اندر ایک روشن اور بڑے کمرے میں چھوڑ دیا گیا۔وہ محافظ بھی اس وقت ساتھ تھا جو بنگلے کے دروازے پر اسٹول پر بیٹھا دکھائی دیا تھا۔

''اگر یہ بھاگنے کی کوشش کرے تو گولی مار دو۔''اس کار والے آدمی نے باہر جاتے ہوئے محافظ کو ہدایت کی۔

''ہاں مار دو گولی سالے،باپ کا راج ہے نا۔''شوکت بڑبڑایا۔

لیکن وہ اس کی سنے بغیر باہر چلا گیا۔محافظ نے شوکت کو خونخوار نظروں سے گھور کر دیکھا اور پھر کمرے سے پستول نکال کر شوکت کو دکھانے کیلیے اسے نچاتے ہوئے اس کے سامنے ہی ٹہلنے لگا۔ایک بار اس نے دانستہ ہاتھ سے پستول شوکت کے سامنے گرا دیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ شوکت اسے اٹھانے کیلیے جھکے،لیکن شوکت کو یا تو اتنی عقل ہی نہ آئی،یا وہ اس خطرناک چیز کو ہاتھ ہی نہ لگانا چاہتا تھا۔

''بزدل۔''محافظ طنزیہ لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر بولا اور پھر اس نے اپنا پستول اٹھا لیا۔وہ شکل سے ہی کچھ خوفناک قسم کا کریک معلوم ہوتا تھا۔اس نے دوبارہ وہ پستول شوکت کی طرف اچھال دیا،پستول شوکت کی گود میں جا گرا۔

''اٹھاؤ اسے،مار دو گولی مجھے،تم آزاد ہو جاؤ گے۔مارو،بیوقوف۔''

Akram Allahabadi

لیکن شوکت نے اسے چھوا تک نہیں۔

''اے، تم نے ماں کا دودھ پیا ہے یا کسی گدھی کا؟'' اس آدمی نے شوکت کو اشتعال دلایا۔ اور اس کے اس جملے پر واقعی شوکت کو غصہ آ گیا، لیکن پستول کو چھوئے بغیر وہ کھڑا ہو گیا۔ پستول نیچے گر پڑا۔

''تم نے خود پیا ہو گا دودھ گدھی کا سالے، بلکہ مرغی کا۔'' وہ غصے میں مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

''ایا... تمہیں غصہ آ رہا ہے۔'' وہ آدمی اس کیفیت سے لطف لیتے ہوئے بولا۔

''اور غصہ نہیں تو کیا پیار آئے گا تم پر۔'' شوکت کو موڈ بدستور بگڑا رہا۔

''مجھے تو تم ایک چوہے کی طرح حقیر معلوم ہوتے ہو۔''

''تم خد چوہے، بلکہ چھچھوندر اور حقیر بلکہ فقیر۔'' یہ کہہ کر شوکت اسے نظر انداز کر کے دروازے کی طرف جانے لگا۔ وہ غصے میں ہونے کے باوجود اس انجانی جگہ پر کسی سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ آدمی اس کے سامنے حائل ہو گیا۔

''چلے کہاں، میری جان۔'' اس نے بدمعاشوں جیسے انداز میں خوفناک سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

''ابے او چڑی کے اکے۔'' شوکت کا غصہ واقعی قابو سے باہر ہو گیا۔

ویسے اتفاق سے ایسا غصہ آیا کرتا تھا جس میں وہ آپے سے باہر ہو جائے، ورنہ کم از کم ایسے موقعوں پر تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔ وہ ہوش ہو جاتا تھا۔ محافظ اگر اس کی ماں کی شان میں گدھی کا لفظ استعمال نہ کرتا تو شاید وہ خاموشی سے اس غیر متوقع مصیبت کو برداشت کر لیتا۔

''ہٹ جاؤ، میں گھر جاؤں گا۔ تیل لینے گئی ایسی موجت وغیرہ۔'' وہ بڑبڑایا، لیکن وہ آدمی سینہ تان کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ شوکت کو باکسنگ نہیں آتی تھی، لیکن وہ عالمِ جنون

میں کسی مینڈھے کی طرح اس سے لپٹ پڑا اور شوکت کے سر کی ٹکر سے وہ محافظ فرش پر الٹ گیا، مگر دوسرے لمحے اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کر دانت پیستا ہوا شوکت پر جھپٹ پڑا۔ شوکت اب بالکل ہی چوہا نہ تھا اور ایسے موقعوں پر جان پر بنتی دیکھ کر کمزور سے کمزور آدمی کو بھی جوش آجاتا ہے۔ شوکت نے بھی اسے دو چار گھونسے ایسے رسید کیے کہ وہ اپنا جبڑا سہلانے لگا۔ لیکن بالآخر شوکت پر وہ غالب آگیا اور اس کے گھونسوں نے شوکت کا برا حال کر دیا۔ اس وقت تک اسے یہ امید ہی تھی کہ بالے اس کی طرف سے غافل نہ ہوگا اور کسی نہ کسی صورت میں اس کی مدد کیلیے پہنچتا ہی ہوگا، لیکن اسی وقت ایک فائر ہوا اور اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر دور جا گرا۔ وہ اپنے زخمی ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے تھام کر چنگھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، لیکن جب اس نے گولی چلانے والے کو گالیاں دیتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو اس کی زبان بند ہو گئی۔ پیچھے جوڈی کھڑی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں اعشاریہ پانچ کا پستول موجود تھا۔

''تمہیں صرف ان کی حفاظت کرنے کو کہا گیا تھا نا؟'' اس نے غضبناک نظروں سے اس آدمی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''مم... مگر...'' اس نے کہنا چاہا۔

''باہر جاؤ۔'' جوڈی نے اسے ڈانٹا۔

''اگر تم کیشپ کی محبوبہ نہ ہوتیں تو میں تمہاری بوٹیاں نوچ لیتا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''نکل...'' جوڈی حلق پھاڑ کر چیخی اور وہ پلٹ پلٹ کر اسے گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔

''بھوت بھوت شوکریا آپ کا۔'' شوکت نے اٹھ کر کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' وہ شوکت کو صوفے پر بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی اور شوکت جیب سے رومال نکال کر منہ پونچھتا ہوا بیٹھ گیا اور پھر شوکت کی صورت تکتے تکتے مسکرا دی۔

''تم میرے پیچھے کیوں آئے تھے؟'' اس نے نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''غلطی ہوگئی، لا قسم اب نہیں آؤں گا، لو کان پکڑے۔'' شوکت نے معصومیت سے کان تھام کر وعدہ کیا۔

''غلطی ہوگئی یا کرائی گئی ہے؟''

''جھوٹ بولوں تو سور کا منہ... تمہارا۔'' اس نے تمہارا کا لفظ منہ ہی منہ میں صرف اپنی تسکین کیلیے اتنی آہستگی سے ادا کیا کہ وہ اسے نہ سن سکی۔

''لیکن ایسی غلطی ہو کیوں گئی؟''

''اے لو، آپ تو کسی ایڈووکیٹ کی طرح پوچھ رہی ہیں، یانی کہ یہ بھی کوئی بات ہے۔ انسان سے غلطیاں ہوئی جاتی ہیں۔''

''تم تو بڑے محبت کے دعوے کر رہے تھے۔'' اس کا لہجہ شوخ ہوگیا۔

''کائے کو نہیں، مگر آپ تو ناراض ہوتی ہیں۔''

''میں دراصل تمہیں کوئی بدمعاش سمجھی تھی۔''

''میں بدمعاشوں کی قبر پر فاتحہ نہیں پڑتا کبھی۔''

''اچھا، تمہیں مجھ سے محبت کیوں ہوگئی؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ یانی کہ...'' شوکت جھینپنے لگا۔ ''یانی کہ بس ہوگئی۔ وہ جو کہا ہے کسی شائر نے۔''

''کیا کہا ہے؟''

''یانی کہ موجت کی نہیں جاتی بلکہ خد ہو جاتی ہے۔''

''آج کل تو سبھی محبت کے دعوے کیا کرتے ہیں۔''

''الو کے پٹھے ہوں گے سالے، خامخواہ دوسروں کو بدنام کرتے ہیں۔''

''مجھ سے شادی کرو گے؟'' جوڈی نے اچانک سوال کیا۔

''شادی...؟'' شوکت چونکا، لیکن پھر اسے یاد آ گیا کہ وہ ابھی تک کسی کی قید میں ہے اور ویسے بھی جوڈی جیسی حسین لڑکی اگر شوکت جیسے بے ڈھب قسم کے آدمی سے شادی

Akram Allahabadi

کرنے پر آمادگی ظاہر کرے تو اسے خوش نصیبی ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ دل ہی دل میں اس نے چند سیکنڈ میں ہی فیصلہ کر لیا کہ اگر سول میرج تک بھی نوبت آ گئی تو تو کچھ بری نہیں۔ خاندان والوں تک بات بھی نہ پہنچے گی اور پھر یہ تو ترقی کا زمانہ ہے۔

''تم کچھ سوچ میں پڑ گئے؟'' جوڈی کے لہجے میں طنز تھا۔

''ارے واہ، کائے کو نہیں، کائے کو نہیں۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ مزاخ تو نہیں کر رئی ہیں کہیں۔'' وہ گھبرا کر بولا۔

''نہیں، لیکن جس طرح میں کہوں ویسا کرنا پڑے گا۔'' جوڈی نے کہا۔

''اچھا۔'' شوکت نے گلے میں پھنسی ہوئی آواز سے کہا۔ ''کیئے۔''

''میں تمہیں ان لوگوں کے قبضے سے نکال لے چلوں گی اور پھر ہم کہیں دوسری جگہ جا کر آرام سے زندگی بسر کریں گے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ اور شوکت ایک بڑے جاں بخش ہنی مون کے تصور میں کھو گیا۔

''ایک ترکیب ہے میرے دماغ میں۔''

''یا نی۔''

''میں تمہیں ایک لمبے سے صندوق میں بند کر دوں گی اور اپنے خاص نوکروں سے اسے اٹھوا کر ان لوگوں کی پہنچ سے دور نکلوا دوں گی، لیکن اس کیلیے مجھے ان سے جھوٹ بولنا پڑے گا کہ تم مر گئے ہو اور تمہاری لاش کو شہر سے باہر لے جایا جا رہا ہے۔''

''اور جو کسی نے مرا ہوا سمجھ کر کہیں دفن مفن کر دیا تو؟'' شوکت نے مرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اف فوہ..تو میں کہاں مر جاؤں گی۔ میں تو رہوں گی ساتھ میں۔''

''اچھا، مم مگر... وہ آپ کے بھائی صاحب...؟'' شوکت کے حلق میں تھوک نکلتے ہوئے بولا۔

Akram Allahabadi

''ان کی وجہ سے ہی تو ایسا کر رہی ہوں ۔ وہ بہت جلّا دآدمی ہیں، انھیں اگر شک بھی ہوگیا کہ تم مرے ہوئے نہیں ہو تو فوراً مار ڈالیں گے تمہیں۔''

''باپ رے۔''شوکت کے منہ سے سسکی کے ساتھ نکلا۔

''اس لیے راستے میں اگر کوئی اس بکس کو کھول کر دیکھے بھی تو سانس روک کر ایسے بن جانا جیسے واقعی مر چکے ہو۔''

''اللہ مالک ہے۔''

''تو پھر تیار رہنا، دن ڈوبنے کے بعد۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچ..ا چھا۔''شوکت سر ہلا کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

زندہ یا مردہ

گشتی پولیس کی دو وائرلیس کار نے رات کو دس بجے شہر کے مضافاتی چیک پوسٹ پر اس شیشے کے فریموں سے بنائی گئی فنرل ٹرک کو روک لیا، جس پر چاروں طرف کرچین فنرل سروس (Charistian Funeral Service) موٹے موٹے حروف میں پینٹ کیا ہوا تھا۔ اس میں آگے ڈرائیور کے پاس صرف ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اور دونوں سیاہ سوٹ میں تھے۔ اس ٹرک کے پیچھے ایک لمبی سی سرمئی رنگ کی شیورلیٹ کار تھی، جس میں تین آدمی اور ایک لڑکی سوار تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس راستے سے اکثر عیسائیوں کے تابوت ایسی ہی گاڑیوں میں لایا جائے کرتے تھے۔ کیونکہ شہر میں جگہ کی قلت کی وجہ سے حکومت نے مضافات میں واقع عیسائیوں کے ایک فوجی قبرستان کے پاس ہی شہری عیسائیوں کیلیے ایک نیا قبرستان بنوا دیا تھا۔ ٹرک کو محض اس لیے روکا گیا تھا کہ ان دنوں شہر سے باہر جانے والی اور شہر میں ان راستوں سے آنے والی گاڑیوں اور افراد تک کی پولیس چیکنگ کر رہی تھی۔ کیوں؟ یہ ایک سرکاری راز تھا۔ گشتی پولیس وائرلیس کار میں صرف ایک سب انسپکٹر اور دو سپاہی تھے۔ سب انسپکٹر کار سے اتر کر پہلے پچھلی کار کے قریب آ گیا۔

”کس کا فنرل ہے یہ؟“ اس نے کار میں اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا۔ اور اس نے ہاتھ کے انگوٹھے سے پیچھے کی طرف اشارہ کر دیا۔ ساتھ ہی کار کی پچھلی نشست میں لگی ہوئی لائٹ آن کر دی گئی۔ سب انسپکٹر نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ایک خوبصورت جوان لڑکی سیاہ لباس میں دو آدمیوں کے درمیان بیٹھی بے تحاشہ رو رہی تھی اور وہ دونوں اسے سمجھانے اور تسلی دینے کی کوشش کر رہے تھے۔

”اب رکھا ہی کیا ہے ان باتوں میں، بھیا، جنھیں جانا تھا وہ چلے گئے۔ اب کہاں وہ

واپس مل سکیں گے مجھے۔'' وہ انگریزی میں سسکیاں لے کر کہہ رہی تھی۔

''انسپکٹر۔'' ان میں سے ایک مرد پولیس انسپکٹر سے گلوگیر لہجے میں مخاطب ہوا۔

''میری جوان بہن بیوہ ہوگئی۔''

''آئی ایم ساری۔'' انسپکٹر نے پیچھے ہٹ کر معذرت کی۔ ''لیکن آج کل ہمارے لیے آرڈرز ہیں کہ یہاں سے گزرنے والی ہر چیز چیک کی جائے۔''

''اوہ، تو ہمیں کیا عذر ہوسکتا ہے۔ آؤ، للّی، اتر آؤ گاڑی سے تاکہ یہ اچھی طرح دیکھ لیں۔'' وہ آدمی روتی ہوئی لڑکی سے بولا۔ انسپکٹر نے دیکھا کہ وہ واقعی فرطِ غم سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں۔

''اس کی ضرورت نہیں، میں ایسے ہی دیکھے لیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر نے اپنی ٹارچ کی مدد سے کار کے اگلے پچھلے حصے کا جائزہ لیا اور سیدھا کھڑا ہوگیا

''اب اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں ذرا اس تابوت کو بھی دیکھ لوں۔'' انسپکٹر نے ان سے بولا۔

''بھیّا، کیا مرنے کے بعد بھی آدمی کی گت بنائی جاتی ہے؟'' لڑکی نے رو پڑنے والے لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا۔

''نہیں، للّی، قانون کا احترام کرنا ہمارا فرض ہے، تم یہیں بیٹھو، میں دکھا کر آتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کار سے اترنے لگا۔

''نہیں، میں بھی چلوں گی۔ یہ ان کی لاش کو تکلیف دیں گے۔'' اس کے بعد انسپکٹر نے تابوت کا اوپری حصہ جو ڈھکنے کی طرح قبضے اور غیر مقفل تھا، اٹھا کر ٹارچ کی روشنی میں اندر دیکھا۔ اندر سیاہ لباس میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر آدمی کی لاش رکھی ہوئی تھی اور کچھ نہ تھا۔

''آپ انھیں مضافاتی قبرستان میں دفن کریں گے؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''ان کی موت کس طرح واقع ہوئی؟ آدمی تو تندرست معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں نے کہا نہ تھا، بھیّا، یہ فضول ان کی لاش کو تکلیف دیں گے۔'' لڑکی پھر رو پڑی۔

''میں تو رسماً پوچھ رہا ہوں، میڈم، آپ غلط نہ سمجھیں۔'' انسپکٹر نے نرمی سے اسے کہا۔

''دراصل یہ... یعنی میرے بہنوئی حد سے زیادہ پینے کے عادی تھے اور اسی وجہ سے انھیں گیس ٹربل (ریاحی مرض) ہو گئی تھی۔ انھیں پہلے بھی ڈاکٹر نے منع کیا تھا کہ یا تو پینا چھوڑ دو، یا بہت کم کر دیں، ورنہ کسی دن ہارٹ فیل ہو جائے گا اور وہی ہوا۔'' اس آدمی نے انسپکٹر کو بتایا۔

''چچ چچ... یہ لوگ یہ سب کچھ جان کر بھی شراب پیتے ہیں۔'' انسپکٹر نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

''یہ ہے ہی کچھ ایسی موذی چیز کہ جس کے منہ کو لگ جاتی ہے، چھوٹتی نہیں۔'' لڑکی کے ساتھی نے جواب دیا۔

''ایسی صورت میں ان کا پوسٹ مارٹم ہونا چاہیے تھا، ممکن ہے جس شراب کے پینے کے بعد ان کی موت واقع ہوئی ہو، وہ کوئی زیادہ نقصان دہ قسم کی رہی ہو۔''

''میرے خیال میں حرکتِ قلب کے بند ہونے والی اموات میں پوسٹ مارٹم نہیں کیا جاتا۔'' وہ آدمی بولا۔

''پولیس اگر کوئی اعتراض نہ کرے تو۔''

''نہیں۔ میں ان کی لاش کو چیر پھاڑ کیلیے ہرگز نہ دوں گی۔'' لڑکی یہ کہتی ہوئی تابوت سے لپٹ گئی۔

''آپ کے پاس ان کی موت کا ڈاکٹری سرٹیفکٹ ہے؟'' انسپکٹر نے ان سے سوال

Akram Allahabadi

کیا۔

''ہمارا آدمی اسے لے کر قبرستان ہی پہنچ جائے گا۔''اس نے جواب دیا۔

''مجھے افسوس ہے آپ کے پاس سرٹیفکٹ موجود نہ ہونے کی صورت میں مجھے اسے پوسٹ مارٹم کیلیے بھجوانا پڑے گا۔''انسپکٹر نے روکھے پن سے جواب دیا۔

''بھیّا...''لڑکی دھاڑ مار کر رونے لگی۔

''آئی ایم ساری۔''انسپکٹر نے دوبارہ اظہارِ افسوس کیا۔

لیکن پوسٹ مارٹم کا نام سنتے ہی تابوت میں شوکت کے کان کھڑے ہو گئے۔ابھی تک ڈر کے مارے اس نے باریک سی آنکھیں بھی نہ کھولی تھیں،لیکن اس بار ہمت کر کے اس نے دیکھا تو اسے انسپکٹر،جوڈی اور اس کے بھائی قسم کے ساتھی سے بحث کرتا نظر آیا۔

اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس وقت کیا کرے۔جوڈی پر بھروسہ کر بھی لے تو یہ قانونی مصیبت جو آڑے آ گئی اور اگر کہیں خدانخواستہ اس کا پوسٹ مارٹم؟

''اس کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوگا۔''جوڈی کے ساتھی نے انسپکٹر سے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اس کا پوسٹ مارٹم ہوگا۔''انسپکٹر نے بھی غصے میں آ کر جواب دیا،لیکن اس وقت تک اس کی نظر اس ریوالور پر نہیں پڑی تھی جو جوڈی کا ساتھی جیب سے نکال چکا تھا۔

''نہیں نہیں،میں پوسٹ مارٹم وارٹم نہیں کراؤں گا اپنا۔''شوکت اچانک گھبرا کر تابوت کے اندر سے چیخ اٹھا۔اس کا ڈھکنا کیونکہ کھلا رہ گیا تھا،اس لیے اس کی آواز باہر صاف سنائی دی،جسے سنتے ہی انسپکٹر اور کانسٹیبل بری طرح چونک پڑے۔

''انسپکٹر،ہاتھ اٹھاؤ اور اپنے آدمیوں سے بھی کہو،ورنہ''جوڈی کے ساتھی نے ریوالور کا رخ سب انسپکٹر کی طرف کرتے ہوئے کہا اور انسپکٹر کو اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ وہ ہولسٹر سے اپنا ریوالور کو نکال سکتا۔اس نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے اور کانسٹیبلوں کو وہی کرنا پڑا۔

Akram Allahabadi

''تو شاید تم ہی وہ لوگ ہو جن کی پولیس کو کئی دنوں سے تلاش ہے؟'' سب انسپکٹر نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

فیونرل سروس ٹرک کے ڈرائیور اور اس کے ساتھی نے بھی پستول نکال لیے تھے اور پولیس کے آدمیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

''اس گدھے نے سارا کام بگاڑ دیا، اسے بھی یہیں ختم کر دو۔'' اس آدمی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

''یعنی یہ پولیس کے آدمی بھی؟'' ٹرک ڈرائیور نے سوال کرنا چاہا۔

''ہاں۔ جیپ کو الٹ کر ان کی لاشیں اس کے نیچے دبا کر آگ لگا دینا۔''

ڈر کے مارے شوکت کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ تابوت سے باہر آجائے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ اتنے خوفناک ہوں گے۔ عشق کا بھوت اس کے سر سے ہوا ہو چکا تھا۔ مگر اس وقت اسے بالے پر بے طرح غصہ آرہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں زیادہ دور نہیں ہوں گا، حالانکہ یہاں پولیس والوں تک کی موت آگئی تھی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنا سکتے اچانک ایک فائر کی آواز سے خاموش فضا لرز اٹھی۔ ان لوگوں کے چونکتے ہی انسپکٹر کو موقع مل گیا۔ اس نے ایک سپاہی کو جیپ کی طرف دھکیلتے ہوئے خود بھی بڑی تیزی سے زمین پر گرتے ہوئے لوٹ لگائی اور گشتی جیپ کی آڑ میں پہنچ گیا۔ جوڈی اور اس کے ساتھی بھی اپنی کاروں کی آڑ میں پوزیشن لے چکے تھے۔ وہ اندھا دھند اس اندھیرے کی طرف فائرنگ کرنے لگے جدھر سے گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ اور پھر انھیں انسپکٹر کی گولیوں کا بھی جواب دینا پڑا۔ البتہ ان دو کانسٹیبلوں میں ایک بیچارہ گاڑی کی آڑ لینے کیلیے بھاگتے بھاگتے مارا گیا۔ دوسرے کانسٹیبل کے پاس صرف ایک موٹا سا لکڑی کا ڈنڈا تھا۔ وہ انسپکٹر کے ساتھ ہی گاڑی کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔

''دو طرفہ فائرنگ ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک سے زیادہ ہیں۔''

جوڈی کے ساتھی نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''تم لوگ اس سمت سے چپکے سے کار میں داخل ہو جاؤ، میں جب تک انھیں سنبھالتا ہوں۔''

اس کے ساتھیوں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور آہستہ سے دوسری سمت سے دروازہ کھول کر کار میں گھس گئے۔ ٹرک ڈرائیور کار کے اسٹیرنگ پر جا بیٹھا اور جوڈی اس کے پاس والی نشست پر۔

اور پھر کار اسٹارٹ ہو گئی۔ وہ آدمی کار کے فٹ بورڈ پر ہی لٹک گیا اور فائر کرتا رہا۔ کار تیزی سے مضافاتی سڑک پر دوڑنے لگی۔ انسپکٹر فوراً جیپ میں کود کر بیٹھ گیا اور دوسرے کانسٹیبل کو اس نے ہدایت کی کہ وہ کوئی ٹیکسی وغیرہ کر کے، یا کہیں قریب س پولیس اسٹیشن کو فون کر کے ہلاک ہونے والے کانسٹیبل کی لاش اٹھوالے اور اسٹیشن سے مزید آدمی اس سمت میں بھیج دے جدھر وہ ان نامعلوم لوگوں کے تعاقب میں جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ فیونرل ٹرک کو بھی پولیس اسٹیشن پہنچا دیا جائے۔ وہ اکیلا ہی ان کے تعاقب میں چل پڑا۔ اس وقت اس پر فرض شناسی کا بھوت سوار تھا، لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ عقبی سمت سے اندھیرے سے نکلتی ہوئی شوکت والی کار سامنے روشنی میں آ گئی۔

''ارے کوئی میری بھی تو خبر لو، میں یہاں زندہ درگور پڑا ہوں۔'' شوکت کار کی آواز سن کر اندر سے ہی چیخا شوکت کی کار میں بالے تنہا تھا۔ اس نے کار اس سڑک کے پاس ہی روک دی، لیکن نیچے نہیں اترا۔

''باہر نکل جاؤ، بیٹے، ابھی تمہارا وقت نہیں آیا ہے۔'' اس نے شوکت کو پکارا۔

''کیا وہ سب سالے گئے؟'' شوکت تابوت سے سر نکال کر بولا۔ اور پھر خود ہی میدان صاف دیکھ کر باہر نکل آیا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے، مگر میں اب تمہاری بات کبھی نہیں مانوں گا۔'' شوکت قریب آتے ہوئے بولا۔

Akram Allahabadi

''باتیں راستے میں کریں گے، چلو بیٹھو جلدی۔'' بالے نے کار کی اگلی نشست کا دروازہ کھول دیا اور شوکت بیٹھ گیا۔

''تمہاری ذرا سی حماقت نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔'' بالے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

'' کائے کی حماقت و ماقت، میاں خاں، ایک تو چکر میں پھنسایا، اوپر سے دھونس جماتے ہو۔'' شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''تم نے ایک شاعر کا شیر سنا ہے؟''

''کائے کا شیر؟''

''یانی کہ خد پھنسی پھندے میں بلبل کیا خطا صیاد کی۔'' بالے نے اسی کے لہجے میں کہا۔

''بلبل تم خد، بلکہ گوریا۔ سولی پے چڑا کے سالے مزاخ کرنے آئے ہیں۔''

''مزاج پرسی تو اس لڑکی نے خوب کی ہوگی تمہاری؟''

''ارے جاؤ میاں، وہ تو اتنی موجت کر رئی تھی بیچاری کہ یانی کہ شادی مادی کو بھی تیار تھی۔ وہ اس کے بھائی نے سب گڑبڑ کر دی۔''

'' بیٹے، یہ سب تمہاری عقلمندی کا نتیجہ ہے، تم اگر اس وقت کفن پھاڑ کے نہ بولتے تو کچھ نہ ہوتا۔''

''اور وہ جو سالے تمہارے بھائی بند میرا پوسٹ آفس...نئیں... یانی کہ پوسٹ مارٹم کر رئے تھے۔''

''وہ کچھ نہ ہوتا، تمہیں تھوڑا سا صبر کرنا چاہیے تھا، خیر۔''

''اور یہ میری کار تمہیں کاں سے مل گئی؟''

''وہیں سے اڑا کر لایا ہوں۔ میں نے کہا تھا نا کہ میں تم سے زیادہ دور نہیں رہوں

گا۔''

''یہ ہے کیا معاملہ آخر؟''

''سمجھ میں آ گیا ہوتا، مگر ایک تو اس انسپکٹر نے اور دوسرے تم نے کام بگاڑ دیا ہے۔''

''اے لو، یہ تو وئی بات ہوئی کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال دے۔ سچ کہا تھا حاتم طائی نے۔''

''حاتم طائی نے مگر کہا نہیں، سوال حل کیا تھا۔''

''اچھا جاؤ کیا ہوگا، میرا جب جی چاہے گا بولوں گا۔''

کافی دور چل کر انھیں سڑک پر دوڑتی ہوئی انسپکٹر کی جیپ کار کی عقبی روشنی نظر آئی۔

''یہ گدھا سب ملیا میٹ کر دے گا۔'' بالے بڑبڑایا۔ پھر اسے جیب میں پڑے ہوئے پاکٹ ٹرانسمیٹر کا خیال آیا۔

''شوکت، تم ذرا کار ڈرائیو کرو۔'' وہ اسٹیرنگ سے کھسکتے ہوئے بولا۔

''شوکت نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور بالے پاکٹ ٹرانسمیٹر کی نشری راڈ باہر نکال کر سیٹ کو آن کرتے ہوئے خان کو کال کرنے لگا۔

''ایس پی کالنگ ایس کے... ایس پی کالنگ ایس کے۔''

تیسری کال پر اے سیٹ سے مہین سی آواز سنائی دی۔

''کم اِن... ایس کے اٹینڈنگ... کم اِن۔''

جواب میں بالے نے مختصراً اور مبہم الفاظ میں سارا واقعہ خان کو سنایا۔

''گاڑی تیز کر کے اس پولیس آفیسر کو روکو اور شوکت کو اس کے ساتھ لوٹا دو، اوور۔''

''اور میں بھی لوٹ جاؤں؟''

''تم ایڈمانٹس روڈ کے شیرولا کی نگرانی کرو۔ مشرقی سمت سے ساتویں عمارت ہے، اوور۔''

Akram Allahabadi

''لیکن یہ تابوت کا چکر؟''

''وہ ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا، جو کہہ رہا ہوں وہ کرو، اوور۔ اور ہاں وہاں جو کچھ وقوع پذیر ہو، اس کا خاموشی سے مطالعہ کرنا اور اگر مداخلت بہت ضروری سمجھو تو ذرا ہاتھ پیر بچا کے، اوور اینڈ آل۔''

''چلو بیٹا سکٹ، چھٹی مل گئی۔''

''تم خدا بیٹے، بلکہ در بیٹے۔ یہ مزاخ اچھا نہیں ہے آں۔''

''کیا نخرے ہیں سبحان اللہ۔ نہ ہوئے میر ورنہ ایک شیر اس ادا پر ضرور کہہ دیتے۔''

''تیل لینے گئے سب امیر فقیر، میرا موڈ بھوت خراب ہے اس وقت، ہاں۔''

بالے نے دوبارہ اسٹیرنگ سنبھال لیا اور گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی، لیکن ٹھیک اس وقت جب ایک موڑ کے بعد وہ اس جیپ کار کے نزدیک پہنچ رہے تھے، اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا اور جیپ کئی فٹ اونچی اڑ کر سڑک سے دائیں سمت ڈھلوان پر لڑھکنے لگی۔

بالے نے پوری قوت سے کار کے بریک لگا دیے۔ اور جب انھوں نے گاڑی سے اتر کر ڈھلوان کی طرف دیکھا تو انھیں اس جیپ سے آگ کے شعلے بلند ہوتے نظر آ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شیر ولّا

بیٹھے بیٹھے بالے کو نیند کے جھٹکے آنے لگے۔ شیر ولا اور اس کے آس پاس کی تمام مکانوں کی روشنیاں تک بجھی ہوئی تھیں اور ماحول پر ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے یہاں زندوں کی آبادی ہی نہ ہو۔ بالے نے اپنی کار شیر ولا سے ملی ہوئی تنگ و تاریک گلی میں کھڑی کر لی تھی اور اگر سڑک پر سے کوئی ادھر دیکھتا بھی تو اسے نظر نہ آتی۔ لیکن کار کی گھڑی میں دو بج جانے کے باوجود کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آیا اور اسے غنودگی کے جھٹکے آنے لگے۔ اس نے ایک بار پھر گھڑی دیکھی اور جیب سے سگریٹ نکال کر جلاتے ہوئے پیر پھیلا دیے۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح آرام سے بیٹھنے میں نیند کے غلبے کا خطرہ ہے، لیکن آخر کہاں تک آدمی چوکنا بیٹھ سکے گا۔ اس نے اس درمیان میں دو تین بار وائرلیس پر خان سے سلسلہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ خان جہاں بھی ہو اپنی کار میں نہیں ہے۔

اچانک کسی کار کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر کار سے باہر نکل آیا اور شیر ولا کے احاطے کی دیوار سے لگ کر پنجوں کے بل چلتا ہوا سرے پر پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا بہت خفیف سی آواز والے انجن کی ایک کار شیر ولا کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی، احاطے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے جب بالے نے اسے دیکھا تھا تو وہ بند تھا۔ وہ احاطے کی دیوار پر چڑھ کر آہستہ سے اندر اتر گیا۔ یہاں صرف شیر ولا کے پورٹیکو میں ایک مدھم سے بلب کی روشنی نظر آ رہی تھی اور وہ کار پورٹیکو سے باہر ہی احاطے میں کھڑی تھی۔

احاطہ تاریک تھا اور اس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کیاریاں بنی ہوئی تھیں۔ احاطے کی دیوار کے ساتھ کیز کے قد آدم درخت کھڑے تھے۔ وہ ان میں ہی چھپا ہوا آگے

بڑھنے لگا۔اس تاریک احاط میں کسی نہ کسی نگراں کا ہونا ضروری تھا،اس لیے وہ بہت محتاط تھا۔ مگر پھر ایک دوسری کار کے احاطے میں داخل ہونے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔وہ رینگتی ہوئی پہلی کار کے پاس ہی جا کر رکی اور اس میں سے دو آدمی اتر کر پورٹیکو سے ہوتے ہوئے دالان نما حصے میں داخل ہو گئے۔انھوں نے دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی کے بٹن کو دبایا اور چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہو گئے اور دروازہ پھر بند ہو گیا۔بالے نے محسوس کیا کہ کوئی احاطے میں موجود ہے۔وہ جو کوئی بھی ہو،لیکن شاید اس نے لائٹر سے سگریٹ جلائی تھی جس کی روشنی کی جھلک بالے کی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی۔وہ اندازے کے مطابق کیر کے درختوں کی اوٹ سے اس طرح بڑھنے لگا۔پھر اسے وہ انسانی سایہ نظر آ گیا جو انگلیوں میں چھپا کر سگریٹ پی رہا تھا۔بالے کی طرف اس کی پشت تھی اور جب بالے ہری ہری گھانس پر رینگتا ہوا اس کی پشت پر پہنچ کر اس پر جھپٹا تو اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔رومال پر کلوروفارم کے چند قطرے اسے بیہوش کرنے کیلیے کافی تھے۔پھر اسے گھسیٹ کر وہ کیر کی جھاڑی میں لے آیا اس نے ایک بار چاروں طرف غور سے دیکھ کر جائزہ لیا کہ کوئی اور احاطے میں اب موجود نہیں ہے۔ پھر اس نے اس آدمی کی جیبیں خالی کر دیں۔اس کی جیب سے ایک بھرا ہوا پستول،ایک پرس اور ایک چاقو برآمد ہوا۔ان پر قبضہ کرنے کے بعد بالے نے جیب سے پین ٹارچ نکال کر اس کی شکل دیکھی اور مسکرا دیا۔صرف گھنی مونچھوں کا اضافہ اسے رات کے اس اندھیرے میں اس قابل بنا سکتا تھا کہ اس آدمی کا اگر وہ لباس پہن لے تو وہ پہچانا نہ جا سکے۔فوری ضرورت کیلیے مختلف قسم کی نقلی مونچھیں اور کچھ داڑھیوں کا اسٹاک وہ ایک چمڑے کے پرس میں ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا اور اس وقت اسے محض اس جیسی مونچھوں کا اضافہ کر لینے میں کوئی دقت نہ پیش آئی۔پھر اس نے اس کا لباس بھی زیب تن کر لیا۔اور اسے محض ایک جانگیے اور ایک بنیان میں باقی رکھ کر جھاڑی میں چھپا دیا۔پشت والی احاطے کی دیوار کے پاس پہنچ کر اس نے باہر تاریک گلی میں کھڑی اپنی کار پر نظر ڈالی۔وہ اسی طرح موجود تھی اور پھر اس نے اپنے کپڑوں کا بنڈل وہیں

سے کار میں پھینک دیا۔اس کام سے فارغ ہوکر وہ لوٹ ہی رہا تھا کہ ایک تیسری کار کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ یہ کار بھی اندر داخل ہوکران دو کاروں کے قریب کھڑی ہوگئی اور اس میں سے صرف ایک آدمی جو کافی لحیم وشحیم تھا اتر کر عمارت میں داخل ہوگیا۔

بیہوش آدمی کا چاقو بالے کی جیب میں ہی تھا۔اس نے اسے کھول کران تمام کاروں کے پچھلے ٹائروں میں شگاف ڈال دیے۔ پھر وہ اطمینان سے ٹہلتا ہوا دالان نما حصے میں داخل ہوگیا۔اس نے کچھ سوچ کر دروازے کی گھنٹی بجائی اور سر پر فلیٹ ہیٹ کو آگے کی طرف کچھ اور جھکالیا۔چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھل گیا اور اسے اپنے سامنے کھڑی ایک لڑکی نظر آئی۔ایک لڑکی جو پچھلے دو مہینوں سے اس کی دوستی کا دم بھر رہی تھی۔

وہ ڈروتھی تھی، جو بالے کو پہچان نہ سکی۔وہ اسے باہر والا محافظ ہی سمجھی۔

''کیوں، تمہارا یہاں کیا کام؟'' اس نے ناخوشگوار سا موڈ بنا کر بالے سے سوال کیا۔

''پوچھنا ہے کہ کوئی اور باقی رہ گیا ہے، یا پھاٹک بند کردوں۔'' بالے نے جلدی سے کہا۔

''صرف بھیڑ کر رکھو، کیا معلوم نہیں کہ ابھی تک ڈیوس نہیں آیا ہے۔''

''اچھا۔'' بالے یہ کہہ کر لوٹنے لگا۔

''مگر ٹھہرو، یہ تمہاری آواز کو کیا ہوگیا ہے؟' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''رات رات بھر کھلے احاطے میں بیٹھ کر زکام نہیں ہوگا تو کیا حلق سے ملہار راگ نکلے گا۔'' بالے نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''اوہ، خیر جاؤ، لیکن سونہ جانا زکام میں۔]] یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کر کے لوٹ گئی اور بالے کچھ دور چل کر وہی تھم گیا۔اس نے فرش پر کان لگا کر سنا، ڈروتھی کے قدموں کی چاپ دور ہوتی جارہی تھی۔ وہ باہر نکل کر عمارت کے اس حصے کا جائزہ لینے لگا جہاں ایک بند کھڑکی کے

شیشوں سے ہلکی سی روشنی باہر جھلک رہی تھی ۔وہ اس تک پہنچنے کے خارجی ذرائع سوچ رہا تھا۔ پھر اسے یاد آ گیا کہ اس علاقے کی بلڈنگیں اس جدید ساخت کی بنی ہوئی ہیں، جس میں اوپر چھت پر لگی ہوئی پانی کی ٹنکیوں تک جانے کیلیے علیحدہ سے لوہے کی پتلی سیڑھی لگائی جاتی ہے۔ وہ اس سیڑھی کی مدد سے چھت تک پہنچ گیا، لیکن اب سوال یہ تھا کہ اس کمرے تک کیسے پہنچا جائے جس میں روشنی ہو رہی ہے۔وہ سامنے کی طرف تھا۔کوئی صورت نظر نہ آنے پر وہ چھت کا دروازہ تلاش کرنے لگا، جس کے ذریعے عمارت کے مکیں اوپر آتے ہوں گے،اور یہ ایک اتفاق تھا کہ وہ دروازہ اسے کھلا مل گیا۔ نیچے اترتا ہوا زینہ بالکل ترا ایک تھا اور اسے ٹارچ کا خطرہ مول لیے بغیر ریوالور کو تھام کر بڑے احتیاط سے نیچے اترنا پڑا۔پھر اس نے خود کو نچلی منزل کے عقبی برآمدے میں پایا۔یہاں تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔آگے جا کر برآمدہ مشرقی سمت میں گھوم گیا تھا، لیکن پھر ایک ایسی جگہ ختم ہو گیا تھا جہاں سے کوئی راستہ نہ تھا۔یہ کوئی پیشاب خانہ تھا اور اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔اندر جا کر ٹارچ کی مدد سے بالے نے دیکھا اس کا روشندان اتنا بڑا تھا کہ اس جیسی جسامت کا ایک آدمی اس میں سے ہو کر دوسری طرف جا سکے۔اور مجبوراً اسے اسی طریق کار پر عمل کرنا پڑا۔فنائل کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا، لیکن کوشش تو بہر حال کرنی ہی تھی۔دوسری طرف جب وہ روشندان سے اترا تو یہ جان کر اور الجھن میں پڑ گیا کہ شاید یہ سامنے والے حصے کا پیشاب خانہ تھا اور اس کا دروازہ بند تھا۔یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اس کے بند دروازے میں باہر کی طرف صرف ایک ہُک اور کندہ ہی لگا تھا، لیکن قبل اس کے کہ بالے اس کو کھولنے کی کوشش کرے اسے کسی کے قدموں کی چاپ نے چونکا دیا۔کوئی اسی طرف آ رہا تھا۔صورتِ حال اس کیلیے بڑی نازک ہو گئی۔کیونکہ دروازہ بند تھا اور آنے والے کے قدم نزدیک ہوتے جا رہے تھے۔اتنا موقع بھی نہ تھا کہ وہ روشندان سے واپس پچھلے پیشاب خانے ہی جا سکے۔مجبوراً وہ ریوالور پر ہاتھ رکھ کر ہی مستعد ہو گیا، مگر جب آنے والے نے پیشاب خانے کا دروازہ کھولا تو بالے کو ایک شرارت سوجھ گئی۔

وہ کسی کاٹنے والی غصہ ور بلی کی سی آواز میں پہلے تو غرایا، پھر حلق سے میاؤں کی آواز نکالی۔اس کا لباس سیاہ تھا،اس لیے شاید پہلی نظر میں آنے والے کو کچھ نظر نہ آسکا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔وہ تقریباً پانچ قدم ہٹ کر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا غالباً ماچس یا ٹارچ تلاش کر رہا تھا،لیک جس چیز کی بھی اسے تلاش تھی وہ ملی نہیں،اس لیے وہ اسے حاصل کرنے کیلیے جدھر سے آیا تھا،ادھر ہی لوٹ گیا۔بالے جلدی سے باہر نکل آیا اور پنجوں کے بل اس آدمی کے پیچھے چلنے لگا۔وہ آدمی ایک کمرے کے دروازے پر رک گیا اور اس نے دروازہ کو دھکیل کر کھول لیا۔بالے اتنی دیر میں برآمدے میں دروازے سے آگے بڑھ کر دوسری طرف تاریکی میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا تھا۔اس نے ایک منٹ بعد ہی اس آدمی کو ایک ٹارچ سمیت باہر آتے دیکھا۔وہ اب پیشاب خانے کی طرف جا رہا تھا۔دروازے کے نزدیک ہی وہ کھڑکی تھی جس کے شیشوں سے مدھم روشنی کا عکس باہر نظر آیا تھا۔وہ مدھم اس لیے نظر آیا تھا کہ اندر کی طرف کھڑکی میں پردے پڑے ہوئے تھے،ورنہ کمرے میں خاصی تیز روشنی رہی ہو گی۔ہیرے کے قلم سے شیشے کا کاٹ لینا کچھ مشکل نہ تھا اور ایک طرح سے شیشہ کٹنے سے پیدا ہو جانے والے خلاء کو ان پردوں نے ہی چھپا لیا۔یہاں سے وہ اندر موجود لوگوں کی آوازیں صاف سن سکتا تھا۔صرف اتنی کسر تھی کہ کسی صورت ان کی شکلیں بھی دیکھی جا سکیں۔بہر حال چاقو کی نوک سے پردے میں خفیف اشگاف کر دینے سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا اور اس نے جو کچھ دیکھا وہ اس کیلیے حیران کن تھا۔اندر چار آدمی تھے جن میں سے کم از کم دو کو تو پہچانتا تھا،ایک تو تھا پال جس نے ڈروتھی کو اپنی بہن بنا کر بالے سے دوستی گانٹھ رکھی تھی اور ممکن ہے وہ اس کی بہن ہی ہو۔بہر حال وہ بھی تو یہاں موجود تھی۔اور دوسرا آدمی تھا خود انڈین ڈرگ اسٹورز کا مالک۔باقی دو آدمی اس کیلیے جانے پہچانے نہ تھے،لیکن وہ دیکھنے میں بااثر ہی معلوم ہوتے تھے۔پانچواں آدمی وہ تھا جو ٹارچ لے کر پیشاب خانے گیا ہوا تھا،وہ اب واپس آ رہا تھا اور دوبارہ بالے کو اندھیرے کی آڑ لینی پڑی۔اس کے واپس اندر چلے جانے کے بعد وہ پھر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔یہ پانچواں

آدمی بھی اب ان میں شامل ہوگیا تھا،لیکن وہ جانے کیوں اسے یہ خیال ہونے لگا کہ اسے اس نے کہیں دیکھا ہے۔پھر اس کے کان کھڑے ہوگئے، وہ باتیں کر رہے تھے۔انڈین ڈرگ اسٹورز کا مالک کہہ رہا تھا۔

''مجھے تو ڈر لگ رہا ہے،اس بار میں نے دولاکھ کا آرڈر دیا ہے۔''

''نہ جانے کیوں آج مجھے شبہ ہو رہا ہے۔اس مرتبہ ہم نے سب سے بڑا آرڈر دیا تھا، دولاکھ تمہارا اور تین لاکھ بیس ہزار میرا۔''اجنبیوں میں سے تنومند قسم کا آدمی بھاری آواز میں بولا۔

''میرے بھی سوا لاکھ لگے ہیں،رسیک لال۔''تیسرے آدمی نے بھی خود کو گفتگو میں شامل کردیا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ اس بار ہمیں بیوقوف بنایا جارہا ہو، ساڑھے چھ لاکھ کا معاملہ ہے۔''ڈرگ اسٹورز کے مالک نے شبہ ظاہر کیا۔

''یہ ناممکن ہے،میرا باس قطعی بے ایمان نہیں ہے۔''پال بگڑ کر کھڑا ہوگیا۔''ڈیوس مال لاتا ہی ہوگا۔''

''اور اگر نہ لایا تو؟''رسیک لال نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''تم لوگ اس قسم کے اندیشے کر کے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔''پال نے کرخت لہجے میں کہا۔''وہ اگر چاہے تو ایک اشارے میں آپ لوگوں کو آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج سکتا ہے۔''

نہ جانے پال کے ان الفاظ میں کونسا جادو تھا کہ ان کے چہرے فق اور زبانیں گنگ ہوگئیں،ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

''یہ تمام باتیں بے بنیاد ہیں، میں آپ لوگوں کو بتاؤں کہ پرسوں ہی مال پہلی منزل پر پہنچ چکا ہے۔''پانچویں آدمی نے انکشاف کیا۔

''تو پھر ڈیوس کو اتنی دیر کیوں ہوئی؟'' رسیک لال نے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کوئی بات ہوگئی ہو۔'' پال نے کہا۔

''نہیں، کچھ ہوا ہوتا تو اب تک اطلاع مل جاتی۔''

مگر وہ یہیں تک کہہ پایا تھا کہ درمیان میں میز پر رکھا ہوا سرخ گلدان نچلے حصے سے روشن ہوگیا۔ وہ سب اسے دیکھتے ہی چونک پڑے۔

''باس کا فون۔'' پال بول اٹھا اور ساتھ ہی اس نے میز کے ایک کونے پر لگے ہوئے بٹن کو دبا دیا، جس کے ساتھ ہی میز کے نچلے حصے میں ایک دراز باہر نکل پڑی۔ اس میں ایک ٹیلیفون سیٹ رکھا ہوا تھا۔ پال نے رسیور اٹھایا اور وہ سب ہی ہمہ تن گوش ہوگئے۔

''یس باس، میں پال بول رہا ہوں... جی...'' بات کرتے کرتے پال کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور کچھ دیر بعد اس نے رسیور ڈھیلے ہاتھ سے کریڈل پر رکھ کر دراز کو بند کردیا۔

''کیا بات ہے؟'' رسیک لال نے گھبرا کر پوچھا۔

''کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ باس کا حکم ہے کہ ہم لوگ فوراً یہاں سے نکل جائیں۔ شاید پولیس...''

''پولیس...'' انڈین ڈرگ اسٹورز کے مالک نے بات کاٹ کر خوفزدہ لہجے میں دہرایا۔

''ہاں، مگر جان کیوں نکلی جارہی ہے۔'' پانچواں آدمی اسے گھور کر بولا۔ ''تم نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو بیوپار ایک طرف رہا، تمہاری زبان ہمیشہ کیلیے خاموش کردی جائے گی۔'' اس کا لہجہ خونخوار ہوگیا۔

''لیکن مال کا کیا ہوگا اور میرے تین لاکھ بیس ہزار؟'' رسیک نے سر تھام کر کہا۔

''مال کسی نہ کسی طرح ملے گا ہی، باس کو تم لوگ نہیں سمجھتے۔ اس کے ہزار ہاتھ ہیں

اور اگر تم نے اپنے روپیوں کیلیے زیادہ واویلا مچایا تو نتیجہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔"

"دیر کیوں کر رہے ہو؟ باس کا آرڈر ہے کہ فوراً قفس جگہ کو خالی کر دیا جائے۔" پال نے دہرایا اور وہ سب بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کھڑے رہو سب وہیں، ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

بالے کی آواز نے ان سب کو چونکا دیا۔ پانچواں آدمی دوازہ بند کرنا بھول گیا تھا اور بالے نے اسے ایک ہی ٹھوکر سے کھول دیا۔ اس کے دونو ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے گرج کر حکم دیا۔

"ارے مگر، یہ کیا حرکت ہے، دمودر؟" پال اس کی طرف دیکھ کر چیخا۔

"دمودر باہر نکلا پڑا اپنی یتیمی کو رو رہا ہے۔ میں تو تمہارے باپ کی روح ہوں مسٹر پال۔" بالے کا تخاطب پال کی طرف تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" پال گرجا۔

"گھبراؤ نہیں، شاید مہمان خانے پہنچ کر تمہارے مزاج ٹھکانے آجائیں گے۔ چلو بیٹھ جاؤ سب۔" اس نے دوبارہ کڑک کر حکم دیا۔ اور وہ ایک ایک کر کے بیٹھنے لگے۔ اس وقت بالے کی نظر اچانک اس پانچویں آدمی پر پڑ گئی جس نے ایک جھٹکے سے اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دبائے بالے کے پستول سے شعلہ نکلا اور اس کا ہاتھ جھولنے لگا۔

"میں اس قدر غافل کبھی نہیں رہتا ہوں۔ اور اب جس نے بھی کوئی حرکت کی اس کا یہی حشر ہوگا۔" اس کے بعد وہ انھیں پستول کے نشانے میں رکھ کر ان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جیب سے ریشمیں ڈوری کا ایک گچھا نکال کر پال کی طرف اچھال دیا۔

"دوست، تم ہی یہ فرض بھی ادا کر ڈالو۔ لو باندھ لو اسب کو اور اگر ذرا بھی مروّت برتی تو تمہیں قتل کر دینے سے میرے ہاتھ داغدار نہیں ہوں گے۔"

Akram Allahabadi

پال کو مجبوراً تعمیل کرنی پڑی۔اس نے بداری باری اپنے ساتھیوں کے ہاتھ ریشمی ڈوری سے ان کی پشت پر باندھ دیے۔بالے نے انھیں کھینچ کر دیکھا،ٹھیک ہی بندھے تھے۔ اس کے بعد بالے نے خود پال کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیے۔پال ابھی تک اسے نہیں پہچانا تھا اور اگر پہچانا بھی ہو تو اس نے ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اسے پہچان گیا ہے۔

''ہاں تو اب۔''بالے ان کے سامنے ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے میز پر پیر پھیلا دیے۔

''اس چھ لاکھ کے بزنس میں اپنا کیا حصہ ہو سکتا ہے؟''وہ انھیں مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''مگر تم ہو کون؟''رسیک لال نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے کالا چور کہتے ہیں،اور کچھ؟''

''یہ کون سے چھ لاکھ کی باتیں کر رہا ہے؟''ڈرگ اسٹورز کے مالک نے انجان بن کر پال سے پوچھا۔

''وہی جس کے مال کی ڈلیوری لینے ڈیوس گیا ہوا ہے۔''بالے نے پستول انگلیوں پر نچاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

''لیکن تمھیں کیا واسطہ؟تمھارا کیا بزنس ہے؟''

''میرا بزنس...تم دوسروں کے گلے کاٹتے ہو اور میں تم جیسوں کے گلے کاٹتا ہوں۔''

''کیا چاہیے تمھیں؟''

''مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے،میں تمھارے اس چوہے سے ہی معاملہ کروں گا جو خود پردے کی آڑ میں چھپا بیٹھا ہے اور تم جیسے بیوقوفوں کو شطرنج کے مہروں کی طرح نچا رہا ہے۔''یہ

Akram Allahabadi

کہہ کر اس نے وہ بٹن دبایا جسے دبانے سے میز سے دراز باہر نکل آئی تھی۔ بالے نے خود ہی رسیور اٹھالیا اور پال کی طرف بڑھا دیا۔

''بلاؤ اسے فون پر۔'' اس نے پال کو حکم دیا اور ساتھ ہی پستول کا رخ اس کے سینے کی طرف کر دیا۔

''ہمیں اس کا فون نمبر معلوم نہیں ہے۔'' پال نے جواب دیا۔

''بہت اچھے، تو کیا ہدایتیں تم آسمان سے لیتے ہو؟''

''یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ وہ خود ہی ہمیں فون کرتا ہے جب اس کی مرضی ہوتی ہے۔ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' پانچویں آدمی نے تصدیق کی۔

''میں صرف ایک موقع دیتا ہوں، ورنہ پھر تم سب کو ایک سرے سے گولی مار دوں گا۔''

''اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو مار دو گولی، مگر ہم میں سے کوئی اس کا پتہ نہیں جانتا۔''

''تو پھر بل کیا اپنے فرشتوں کو چکاتے ہو؟''

''وہ...وہ تو ڈیوس...''

''بکومت، میں صرف دس تک گنوں گا اور اس کے بعد تم پانچوں کی لاشیں یہاں تڑپتی نظر آئیں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک سے گنتی شروع کر دی۔ پانچ کے عدد پر رسیک لال گھبرا کر چیخ اٹھا۔

''ہمیں معلوم نہیں، ورنہ ہم ضرور بتا دیتے۔''

''۶، ۷، ۸،...'' بالے گنتا گیا، لیکن ابھی اس کے منہ سے ۹ نکلا ہی نہ تھا کہ ایک زنانہ آواز نے اسے چونکا دیا، جس کے ساتھ ہی اسے کوئی چیز اپنی پشت سے چبھتی محسوس ہوئی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''ہینڈز اپ، ورنہ گولی مار دوں گی۔''

بالے نے ذرا سا گھوم کر دیکھا، وہ ڈروتھی تھی، جس کے بارے میں واقعی وہ اس

وقت بھول گیا تھا۔کبھی کبھی جلد بازی میں اس سے ایسی حماقتیں بھی سرزد ہو جایا کرتی تھیں، لیکن موقع نازک دیکھتے ہوئے اس نے بڑی پھرتی سے کام لیا۔اس نے پستول سے اچانک روشنی کے بلب پر فائر کیا اور ادھر تیزی سے پلٹ کر ڈروتھی کو اس زور کا دھکا دیا کہ وہ فرش پر جا گری۔اس نے پھر بھی فائر کر دیا، مگر گولی شاید چھت پر پڑی۔اچانک اندھیرا ہونے سے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، لیکن اندازے کے مطابق وہ دروازے کی طرف بھاگا تاکہ ان کے باہر نکلنے ہی ایک ایک کی خبر لے، لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کوئی بھی کمرے سے باہر نہیں نکلا۔وہ دو منٹ تک اسی طرح دروازے کے نزدیک دیوار سے لگ کر کھڑا رہا، لیکن جب اسے ی احساس ہوا کہ اندر تاریکی کے ساتھ ساتھ گہرا سناٹا بھی چھایا ہوا ہے تو کھڑکی سے اس نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔خدا جانے انھیں زمین کھا گئی تھی یا آسمان۔وہ دوبارہ اس کمرے میں گھس گیا اور ٹارچ کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے لگا۔

پھر آپ سے آپ اس کا ذہن اس الماری کی طرف متوجہ ہو گیا جو بند تھی اور ایک کونے میں رکھی ہوئی تھی۔اس نے اس کے پٹ کھولنے کی کوشش کی، لیکن وہ مقفل تھے۔پھر اس نے اس کی ہول پر پستول کی نال رکھ کر فائر داغ دیا اور پٹ کھل گئے۔واقعی اس کے اندر ایک دروازہ موجود تھا جو بآسانی کھینچنے سے کھل گیا۔مگر دوسری طرف جب وہ نکلا تو یہ بھی پہلے کی طرح ایک بڑا سا کمرہ نظر آیا، جس میں فرنیچر موجود تھا، لیکن کسی ذی روح کا پتہ نہ تھا۔اس کمرے کا عقبی دروازہ باہر سے بند تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ اس راستے سے نکل کر دروازہ باہر سے بند کرتے گئے ہیں۔اسے پھر پہلے کمرے میں واپس آنا پڑا اور اس کے دروازے سے نکل کر وہ برآمدے سے ہوتا ہوا دائیں سمت بھاگا، مگر بے سود۔وہ جا چکے تھے۔اس نے وہیں کھڑے رہ کر ان کاروں کی آوازیں سنیں جو احاطے سے نکل رہی تھیں۔پھر یہ اندازہ لگا کر کہ یہاں سے نیچے کودنے پر کم از کم ہاتھ پیر تو نہ ٹوٹیں گے، وہ برآمدے سے پورٹیکو کی

چھت اور چھت سے نیچے ہری دوب پر کود پڑا۔

اسے اپنی کار تک پہنچنے میں دو منٹ لگے، مگر بے سود ہی رہی یہ کوشش۔ وہ اتنی دور جا چکے تھے کہ اب انھیں پا لینا مشکل تھا۔ بالے نے تعاقب کا خیال چھوڑ کر احاطے میں واپس آتے ہوئے اس آدمی کو تلاش کیا جسے وہ کبیر کی باڑھ میں چھوڑ گیا تھا اور وہ اسے اسی عالم میں بیہوش پڑا ہوا ملا۔ بس یہی ایک شکار تھا جو اس کے ہاتھ لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

یادداشت

صبح کا کھانے کی میز پر خان اور بالے کے علاوہ شوکت بھی موجود تھا۔ وہ سویرے ہی سویرے خان کے بنگلے پر پہنچ گیا تھا، کیونکہ پچھلی رات اسے حوالات میں ہی گزارنی پڑی تھی اور سویرے خان کو اطلاع ملنے پر ہی اس کی رہائی ممکن ہوئی تھی۔ خجالت سے خود اس کا سر جھکا جاتا تھا۔ خان اس کی یہ کیفیت دیکھ کر مسکرا دیا۔

''تم وہاں پہنچے کیوں تھے؟'' خان نے اس سے سوال کیا۔

''شہید موجت ہونے۔'' بالے بیچ میں بول پڑا۔

''تم خد ہو جا وَاللہ کرے شہید۔ تمی نے تو پھنسایا تھا اس چکر میں۔''

''خیر، انجام تو تم دونوں کا ایک ہی ہوگا کسی دن، لیکن یہ سنک سوجھی کیوں تھی آخر؟'' خان بالے سے مخاطب ہوا۔

''میں نے سوچا میں اگر پیچھا کروں گا تو وہ لوگ یقیناً چوکنے ہو جائیں گے، اس کے علاوہ اس طرح مجھے یہ جاننے کا موقع بھی مل گیا کہ اگر شوکت کی جگہ میں ہوتا تو کیا ہوتا۔''

''اور کیا، میں ای وہوں صدقے کا بکرا۔'' شوکت اسے کھا جانے والی نظروں سے سیکھ کر بولا۔

''میں نے تمہیں صرف نگرانی کی ہدایت کی تھی؟''

''میں نے سوچا گھر تک ہی پہنچا دوں ان لوگوں کو۔''

''کیا تم انھیں اتنا بیوقوف سمجھے تھے کہ وہ اس طرح تمہیں اپنا ٹھکانا جاننے کا موقع دیں گے؟''

''تو کیا وہ ان کا ٹھکانا نہیں ہے؟''

Akram Allahabadi

''گدھے ہو پورے، وہ سرکٹ ہاؤس ہے جہاں شوکت کو لے جایا گیا تھا۔ وہ لوگ بہت چالاک ہیں، روز اپنے اڈے بدلتے رہتے ہیں۔

''لیکن یہ ہے کیا چکر؟ آپ ابھی تک صیغۂ راز میں رکھے ہوئے ہیں۔''

''اور نہیں تو تمہیں بتادیں کہ چھوچھو کرتے پھرو۔'' شوکت نے بالے پر فقرہ چست کرکے دل کی بھڑاس نکالی۔

''یہ محض تابوت کا چکر ہے۔''

''تابوت...؟ یانی کہ مردے وردے؟'' شوکت نے چونک کر پوچھا۔

''تم بھی لیٹ چکے ہو رات ایک تابوت میں۔'' بالے نے کہا۔

''کیا؟'' شوکت کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''ہیں وہ تو صندوق تھا لمبا سا، اس نے میرے لیے ای بنوایا تھا۔''

''اور تابوت کیا تمہارے مقبرے کو کہتے ہیں؟''

زبان سنبھالو میاں، مجھے مرنے جینے کی باتیں پسند نہیں ہیں۔''

''یہ بکواس بند کرو۔ ہاں تو اس محافظ نے اس لڑکی سے کیا بولا تھا؟'' خان شوکت سے پوچھنے لگا۔

''وئی، جو میں نے بتایا تھا آپ کو، یانی کہ تم نخشب کی میو باتیں ہوتیں تو...''

''پھر وہی نخشب۔'' بالے نے ٹوک دیا۔ ''ارے بھئی، ذرا کھوپڑی استعمال کرو، کوئی اور نام لیا ہوگا۔''

''اور کوئی نام تم بتا دع خد۔'' شوکت نے جل کر کہا۔

''بھئی نخشب تو فلم پروڈیوسر ہیں، میں انھیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ذرا پھر سے سوچو۔'' خان نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

''اچھا سوچتا ہوں۔'' یہ کہہ کر شوکت چھت کو گھورنے لگا۔

Akram Allahabadi

"ملاحظہ فرمایئے، معلوم ہوتا ہے شعر نازل ہو رہا ہے کوئی۔" بالے نے شوکت کی طرف اشارہ کر کے خان سے کہا۔ خان صرف مسکرادیا۔ شوکت بڑبڑا رہا تھا۔

"تم خش خب کی میبوبا نہیں ہوتیں تو... اونہونہہ، خش خش کی محبوبا... نہیں نہیں۔ بخ شب... ہش... کشفب... ڈھڑر... کا... کا... کک... کن... کن..."

"کنکوا۔" بالے بول پڑا اور خان کو ہنسی آ ہی گئی۔

] "کوائیں تو بلبل، ایسے نام ہوتے ہیں آدمیوں کے کہیں۔" شوکت نے منہ بنا کر جواب دیا اور پھر سوچ میں غرق ہو گیا۔

"کفب کی میبوبا... مٹیں مہ بوبا... کفب کی... کفب کی..."

"کفب کوئی نام نہیں ہوتا۔" خان نے ٹوک دیا۔

"سوچ تو رہا ہوں۔" شوکت نے نیچے دیکھے بغیر چھت پر نظریں جماتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے ہاں..." وہ چونکا۔ "بالے بھائی، اپن نے وہ ایک فلم دیکھی تھی نا دو سال پہلے۔" اس نے بالے کو یاد دلانا چاہا۔ "کیا نام تھا اس کا... بد... بد... اہاں، بدنام۔ بس ویسا ہی نام تھا سالے کا۔"

"گلفام؟"

"نہیں نہیں، تم تو قافیے مافیے ملانے لگے، میں اس کے ڈائرکٹر کی بات کر رہا ہوں۔"

"ڈی ڈی کیشپ؟"

"ارے واہ، وئی، مگر ڈی ڈی ٹی نہیں، خالی کیشپ۔"

"تم کو ٹھیک سے یاد آ گیا ہے نا؟"

"اللہ قسم، بالکل ٹھیک ہے، اس نے ہی کیا تھا تم کیشپ کی مہ بوبا نہیں ہوتیں تو..."

Akram Allahabadi

''تو تم کیشپ کی محبوبہ ہو گیا؟'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں، میاں خاں، سرمت پھراؤ میرا۔'' شوکت بالے پر بگڑ گیا۔ ''شرم نہیں آتی تمہیں، میں مہ بوبا ہو سکتا ہوں کسی کا؟''

''چپ رہو، بالے۔'' خان نے بالے کو ڈانٹ دیا۔ حالانکہ شوکت کی باتوں پر خود اس کا ہنسی روکنا مشکل ہو رہا تھا۔

''کیشپ...'' خان زیر لب بڑبڑایا۔ ''یہ نام کہیں سن چکا ہوں میں۔ بالے، ذرا ڈیسوزا کو فون پر بلاؤ۔'' خان نے بالے کو کھانے کی میز پر سے اٹھا دیا۔

''بزرگوں نے کہا ہے کھانے پر سے کسی کو اٹھانا بری بات ہے۔''

''جی ہاں، خاں صاحب، میرے دادا ابا بھی یہی کہتے تھے۔'' شوکت نے بالے کی تائید کی۔

''غلام رسول، فون یہیں اٹھا لاؤ۔'' بالے نے وہیں سے ملازم غلام رسول کو پکارا۔

اور وہ ایک منٹ بعد ہی فون لیے آ پہنچا۔ بالے رنگ کرنے لگا۔ ڈیسوزا ابھی اپنے گھر پر ہی موجود تھا۔

''ہیلو، ہاں میں بول رہا ہوں۔''

''خان صاحب سے ہی بول لیجیے، مجھے ناشتے سے فرصت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے رسیور خان کی طرف بڑھا دیا۔

''گڈ مارننگ سر۔'' ڈیسوزا کی آواز آئی۔

''مارننگ۔ ہاں بھئی ڈیسوزا صاحب، وہ نقلی پنسلین کے کیس میں ہم نے جس آدمی کو گرفتار کیا تھا، کیا نام تھا اس کا؟''

''نقلی پنسلین کیس...'' ڈیسوزا شاید یاد کرتے ہوئے دہرانے لگا۔ ''یس سر، اس کا نام کیشپ تھا۔''

Akram Allahabadi

''بس اتنا ہی کافی ہے۔'' خان نے یہ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔

''کیا پنسلیں بھی اصلی اور نقلی ہوتی ہیں، خاں صاحب؟'' شوکت نے کچھ حیران ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

''پنسلیں نہیں، پنسلین، جس کے انجکشن دیے جاتے ہیں، ایک دوا ہوتی ہے۔''

''پنسل سے ہی بنتی ہوگی۔'' شوکت کی حماقت پھر بحال رہی۔

''آپ انڈین ڈرگ اسٹورز کے مالک اور رسیک لال کو کیوں گرفتار نہیں کر لیتے، ان سے سب معلوم ہو جائے گا۔''

''نہیں، بالے صاحب، اوّل تو وہ گدھے اپنے چور بازار کے بزنس کے سوا کچھ جانتے نہیں، دوسرے ان کی گرفتاری کیلیے ہمارے پاس ثبوت کون سے موجود ہیں۔ اس طرح معزز شہریوں پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔''

''اور پال اور ڈروتھی؟''

''ان کی طرف سے میں اس وقت چوکنا تھا جب انھوں نے خواہ مخواہ تم سے دوستی پیدا کی تھی، مگر تمہیں ایک خوبصورت لڑکی کی موجودگی میں اس قدر سوچنے کی فرصت کہاں ملتی ہے۔''

''اور کیں تو کیا، حرام کی تنخواہ لیتے ہیں یہ تو۔'' شوکت اس موقع سے فائدہ اٹھائے بغیر نہ رہ سکا۔

''یہ بات نہیں ہے، میں خود بھی ان لوگوں کی طرف سے مطمئن نہ تھا، لیکن مجھے واقعی یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کیس میں ہوں گے، یا یہ کہ وہ جرائم پیشہ افراد میں سے ہیں۔ آپ نے تو شروع سے ہی اس معاملے کو راز میں رکھا ہے۔''

''راز صرف اس قدر ہے کہ ان تابوتوں میں کیا ہوتا ہے۔ باقی ان کی تمام نقل و حرکت میری نگرانی میں آ چکی ہے۔ بس اتنا ہی اور معلوم کرنا ہے کہ یہ تابوت کہاں سے آ کر کہاں چلے جاتے ہیں اور ان کے اندر کیا ہوتا ہے۔''

Akram Allahabadi

''میرے خیال میں یہ غیر ملکی دواؤں کی اسمگلنگ یا نقلی ادویات کا ہی معاملہ ہوسکتا ہے۔'' بالے نے رائے دی۔

''درآمد پر پابندی کے پیشِ نظر بازار میں غیر ملکی دواؤں کے بھاؤ چار گنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ چکے ہیں، اس لیے ان کی اسمگلنگ کا شبہ بھی بے جا نہیں ہے، لیکن میں یقینی طور پر سر دست اسے تسلیم نہیں کرسکتا۔ مجھے اس معاملے میں کوئی بڑا ہاتھ نظر آرہا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''مثلاً؟''

''مثلاً اگر تمہارا خیال تسلیم کرلیا جائے تو معاملہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں سے امپورٹس کی تخفیف میں غیر ملکی دواؤں پر پابندی لگائی گئی ہے۔ اور جب اس جگہ پہنچیں گے تو سوچنا پڑے گا کہ اچانک اس کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی، جبکہ درآمدی تخفیف کیلیے بہت سی اشیاء موجود تھیں۔ یہ سب سرکاری پالیسی کے معاملات ہیں، بالے صاحب، میں اس پر دوسرے پہلو سے سوچ رہا ہوں۔''

''اس سوچ کی کچھ جھلک؟'' بالے نے سوال کیا۔

''وہ لوگ ساڑھے ۶ لاکھ کا مال بتا رہے تھے نا؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بار میں کم از کم ۶۔۷ لاکھ کا مال لایا جاتا ہے۔'' خان بولا اور بالے سمجھ گیا کہ وہ اصل بات کو خوبصورتی سے ٹال گیا ہے۔

''یقینی بات ہے۔''

''اور ایک تابوت اوسطاً ساڑھے ۶ فٹ لمبا اور نیچے سے ایک فٹ اور سینے کے قریب ڈھائی فٹ چوڑا ہوتا ہے۔ اب اس کی ڈیڑھ فٹ کی اونچائی شمار کر کے اندازہ لگالو کہ اس میں کونسی ایسی چیز بھری جاسکتی ہے جس کی قیمت ۶۔۷ لاکھ تک ہو۔''

''واوا، یہ کیا بات ہوئی، سونا بھرو تو اتنا ایک صندوقچی میں ای آسکتا ہے۔''

''یہاں سونے چاندی کی بات نہیں ہو رہی ہے۔'' خان نے نرمی سے جواب دیا۔

''تو پھر افیم مفیم ہو گی کچھ۔'' شوکت نے بے دلی سے کہا۔ اور خان مسکرا دیا۔

''اچھا اب تم دونوں دفع ہو جاؤ، مگر ٹھہرو، بالے، تم میرے ساتھ دفتر چل رہے ہو۔''

''اچھا ہوا پھنسے سالے۔'' شوکت نے دبی زبان سے کہا۔

''شوکت، تم اب جا سکتے ہو۔'' خان نے اٹھتے ہوئے شوکت کو رخصت ہونے کی اجازت دے دی۔

''سلام علیکم۔'' شوکت نے اٹھتے ہوئے خان کو سلام کیا اور باہر نکل گیا۔ بالے ہنس پڑا۔

''اب آپ سب سے پہلے مجھے یہ بتا دیجیے کہ رات آپ کہاں تشریف فرما تھے اور بعد میں مجھے وائرلیس کال کا جواب کیوں نہیں ملا؟''

''دفتر چلو، خود معلوم ہو جائے گا۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اعتراف

آفس پہنچتے ہی خان نے رؤف کو بلا کر حوالات سے نئے قیدیوں کو لانے کا حکم دیا اور خود انویسٹی گیشن روم میں چلا گیا۔ بالے سائے کی طرح ساتھ ہی لگا ہوا تھا اور جب رؤف قیدیوں کو لے کر اندر داخل ہوا تو بالے چونک پڑا۔ وہ دو تھے۔ ان میں ڈیوس آگے تھا اور ان میں پیچھے چلنے والا آدمی وہی ٹرک ڈرائیور تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' خان نے ان سے کہا۔ اور وہ خاموشی سے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''میں تمہیں صرف ایک موقع دے رہا ہوں اور اگر اب بھی نہ بتایا تو مجبوراً مجھے تھرڈ ڈگری کا آرڈر دینا پڑے گا۔ پولیس خطرناک سے خطرناک مجرموں سے بھی سب کچھ اگلوا لیا کرتی ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا، میں تو مزار پر صرف چادر چڑھانے گیا تھا۔''

''مزار پر...؟ کس کے مزار پر؟'' بالے نے چونک کر پوچھا۔

''اپنے ہی مزار پر چادر چڑھانے گیا تھا بیچارہ۔ رؤف خاں، اسے لے جاؤ، لیکن اتنی رعایت ضرور برتنا کہ جان نہ نکلنے پائے۔'' خان نے اس کیلئے تھرڈ ڈگری کا آرڈر دے دیا اور رؤف اسے گردن سے تھام کر دھکیلتا ہوا لے چلا۔

''اچھا کام دیا ہے بھائی کو جمعداری کا۔'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''اپنی کہیے۔'' رؤف نے پلٹ کر جواب دیا۔

''جیسی مونچھ، ویسی پونچھ۔ میرا مطلب ہے جیسی تقدیر ویسے ٹھاٹ۔''

مگر خان کو گھورتے دیکھ کر بالے نے اپنے منہ پر خود ہاتھ رکھ لیا اور رؤف اسے خشمگیں نظروں سے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

Akram Allahabadi

''کیا تم بھی وہی انجام چاہتے ہو؟'' خان نے اب ٹرک ڈرائیور سے سوال کیا۔

''صاحب، میں سچ کہتا ہوں...'' اس نے کہنا چاہا۔

''بکومت۔'' خان کا تھپڑ اس کے منہ پر پڑا اور ایک جھٹکے سے اس کی نقلی مونچھیں نیچے گر پڑیں۔

''میں تھپڑ سے ہی تمہاری مونچھیں گرانا چاہتا تھا، کیا اب بھی تم معصوم بننے کی کوشش کرو گے؟''

''میں نے ان لوگوں کے کہنے پر ہی یہ نقلی مونچھیں لگائی تھیں، صاحب۔''

''کن لوگوں کے کہنے پر؟''

''وہ...وہ یعنی ڈیوس...اور...''

''اور کون؟''

''اور اس کا ساتھی، مجھے اس کا نام معلوم نہیں ہے۔''

''اور شاید ان کے ہی کہنے پر تم نے ڈاکٹر بٹ کے دربان کو گاڑی سے کچلا تھا۔''

''مم...میں...'' وہ زرد ہو گیا، اس کی زبان ہکلانے لگی۔ ''وہ تو...خود...یعنی کہ...''

''شٹ اپ۔'' خان کا دوسرا طمانچہ اس کے گال پر پڑا اور اس کی کھوپڑی میں بجلیاں کودنے لگیں۔ اس نے سر جھکا لیا۔

''میں تمہیں صرف ایک موقع دیتا ہوں، اگر تم سچ بولے تو میں تمہاری سزا میں رعایت کی سفارش کر سکوں گا، ورنہ پھانسی کا پھندا اپنے لیے تیار سمجھو۔'' خان نے اس کے سر کے بال تھام کر جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔

''بتاتا ہوں۔'' وہ پھولی ہوئی سانس سے بولا اور خان نے بال چھوڑ دیے۔

''ہمیں آرڈرز کیپٹن سے ملتے تھے۔'' وہ کہنے لگا۔

''کیا وہی تمہارا باس ہے؟''

Akram Allahabadi

''نن...نہیں، ہمارا باس کون ہے، ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں۔ ہم شہر سے صرف خالی تابوت لے کر جاتے ہیں۔ اور اس بار تو ایک آدمی کو اس میں لٹا کر لے جایا گیا تھا، کیونکہ پولیس راستوں کی نگرانی کر رہی تھی۔ یہ تابوت ہم ویلا واڑی کے ایک پرانے مندر میں رکھ دیتے ہیں اور لوٹ آتے ہیں۔ اور اس کے ایک دو گھنٹے بعد ہی جب ہم پھر وہاں جاتے ہیں تو وہ تابوت ہمیں کافی وزنی اور مقفل ملتا ہے۔ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہوتا ہے۔ ہم اسے بجنسہ پنچ کھیڑی کے تاریخی مقبرے تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں کیپٹ جیسے آرڈر دیتا ہے، ویسا کرتے ہیں۔''

''وہ کس قسم کے آرڈر دیتا ہے؟''

''پہلے تو ہمیں شہر میں ہی کہیں سے فون ملتا ہے کہ ہم تیاری کر کے ڈیلا واڑی کیلیے روانہ ہو جائیں، اس کے بعد وہ ہم سے کہیں نہ کہیں آ ملتا ہے۔''

''تم سچ بول رہے ہو؟''

''اگر جھوٹ ہو تو مجھے پھانسی دلوا دیجیے۔''

''کیا ڈیوس کو بھی معلوم نہیں؟''

''کسی کو معلوم نہیں۔''

''کیپٹ کو ضرور معلوم ہو گا؟''

''جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہوں اسے بھی معلوم نہیں۔''

''کوئی بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ خیر، تم اتنا یاد رکھو کہ اگر تم نے ذرا بھی غلط بیانی کی ہو گی تو میں اپنے وعدے کا پابند نہیں رہوں گا۔''

''مجھے جس قدر معلوم تھا میں نے بتا دیا۔''

''تمہیں فیونرل سروس کا ٹرک کہاں سے ملا تھا؟''

''وہ پال کے کر آیا تھا۔ اس نے اپنے ایک رشتے دار کی موت کا بہانہ کیا تھا۔''

Akram Allahabadi

''کیا پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے؟''

''نہیں، یہ آرڈر بعد میں ملا تھا، کیونکہ باس کے خیال میں پولیس راستوں کی نگرانی کر رہی تھی۔ ہم نے سوچا اس دفعہ سچ مچ کا ہی آدمی لے جائیں۔''

''بالے، انھیں بھی حوالات میں بھیج دو، لیکن کسی قسم کی سختی کی ضرورت نہیں۔'' خان نے بالے کو حکم دیا۔ اور بالے اسے حوالات میں چھوڑ کر فوراً ہی لوٹ آیا۔

''تمام چیزیں تو آپ کے سامنے ہیں، ڈرگ اسٹورز، رسیک لال، پال، دروتھی، یشپ، شیرولا اور وہ اورینٹل ٹریڈرز کا منیجر۔'

''اورینٹل ٹریڈرز کا مالک ہی دراصل کیشپ ہے۔'' خان مسکرایا۔

''یہ کیسے؟''

''اسے میں اسی دن پہچان چکا تھا، لیکن اس آدمی تک پہنچنے سے پہلے جوان سب کی پشت پر ہے، میں انھیں چھیڑنا نہیں چاہتا، ورنہ وہ محتاط ہو کر ہمارے ہاتھ سے ہمیشہ کیلیے نکل جائے گا۔''

''تو کیا وہ ڈبل رول ادا کر رہا ہے؟''

''شاید۔''

''کم از کم پال اور ڈروتھی کی گرفتاری کا ہی حکم دے دیجیے، مجھے ان پر بہت غصہ آرہا ہے، سوروں نے دوست بن کر دغا فرمائی ہے۔''

''میں ایک مقررہ وقت سے پہلے کسی پر ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا اور اگر کل ہی وہ تابوت والا معاملہ گڑبڑ نہ ہو گیا ہوتا تو میں کل ہی اس آدمی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیتا۔'' خان نے کہا۔

''گڑبڑ تو اس سب انسپکٹر نے کی تھی ٹرک روک کر۔ ارے ہاں، اس کا ہوا کیا؟''

''اس کی اور اس کانسٹیبل کی لاشیں جلی ہوئی ملی ہیں۔ اس بیچارے نے تو اپنا فرض ادا

کیا تھا۔"

"اور میں کونسی حرام کی کھا رہا ہوں۔"

"تم بھی شہید ہو کر دکھا دو تو میں تمہاری یادگار میں ایک شاندار مقبرہ بنوا دوں گا۔"

"فی الحال اپنا کوئی ایسا شاندار ارادہ نہیں ہے۔"

"وہ آدمی جو تم نے شیر ولا کے احاطے سے پکڑا تھا۔اس نے کچھ بتایا؟"

"اس نے بھی صرف اتنی ہی داستان دہرائی ہے کہ اسے مسلح حفاظت کیلیے نوکر رکھا گیا تھا اور آرڈرز تھے کہ کسی نئے آدمی کو داخل ہوتے دیکھو تو گولی مار دو۔"

"اس نامعوم آدمی نے ذمے داریوں کی تقسیم اس طرح کی ہے کہ کسی کو اس کی کھوج کی ضرورت بھی شاید پیش نہ آتی ہوگی۔پال، ڈروتھی، جوڈی اور ڈیوس اس کے ایجنٹ ہیں اور اس نے بظاہر کیشپ کو ان کا ہیڈ مقرر کیا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ہی کوئی ضرور ایسا ہے جو اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوگا۔ڈرگ اسٹورز کے مالک اور رسیک لال وغیرہ کی حیثیت تو بیوپاریوں جیسی ہے۔"

"لیکن اب پروگرام کیا ہے آپ کا؟"

بقول تمہارے ان لوگوں کی ۶۔۷ لاکھ کی رقم پھنسی ہوئی ہے، وہ صبر سے نہ بیٹھیں گے اور وہ بھی انھیں کسی نہ کسی طرح ان کا مال پہنچانے کی کوشش ضرور کرے گا اور اس کیلیے بس ایک ہی راستہ ہے۔"خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ آپ کل رات کہاں تھے؟"بالے نے پوچھا۔

"کل رات میں پنچ کھیڑی کے ایک تاریخی مقبرے کے قریب تھا، لیکن یہاں تم لوگوں نے گڑبڑ کر دی اور وہاں شاید خبر ہوگئی۔"

"تو پھر ڈیوس اور اس ڈرائیور کی گرفتاری؟"بالے نے سوال کیا۔

"انھیں تو ہاں سے خبر پا کر لوٹتے ہوئے بڑی خاموشی سے میرے آدمیوں نے

گرفتار کر لیا تھا۔ ان لوگوں کو شاید ان کی گرفتاری کی خبر بھی نہ ہوگی۔"

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نواب زادہ چمُرخ

ویران تاریخی مقبرے میں ایک گڈریا تیزی سے مقبرے کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

''بابا...بابا...'' وہ چلایا۔

''کون ہے؟'' ایک کونے سے جواب ملا۔اور پھر مقبرے کے ایک تاریک حصے سے نکل کر وہ ادھیڑ عمر کا مجاور قسم کا کھچڑی بالوں والا آدمی سامنے آگیا۔

''کیا خبر لائے؟''

''وہ لوگ اسی طرف آرہے ہیں۔''

''کیسے ہیں وہ لوگ؟''

''انھیں پڑاؤ ڈالے ہوئے آج چار روز ہو گئے ہیں، مگر کوئی ایسی ویسی بات تو دیکھنے میں نہیں آئی۔ مجھے ان کے ایک نوکر سے معلوم ہا ہے کہ بڈھا کوئی نواب ہے اور اپنے لڑکے کے ساتھ شکار کھیلنے آیا ہوا ہے۔''

''شکار کھیلنے...اور یہاں؟''

''ہاں۔وہ لوگ صرف خرگوش کا شکار کرتے ہیں، میں نے خود دیکھا ہے۔''

''کیا ان کے پاس گھوڑے ہیں؟''

''یہی تو مصیبت ہے، وہ پیدال خرگوشوں کے پیچھے دوڑتے ہیں، یہاں تک کہ پسینے میں نہا جاتے ہیں۔''

''میں مطمئن نہیں ہوں۔تم ان کی نگرانی جاری رکھو۔'' ادھیڑ عمر آدمی نے اس ہدایت کی۔اور وہ اسی وقت واپس چلا گیا۔

Akram Allahabadi

لیکن ابھی دس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ مقبرے کی سیڑھیوں پر بہت سے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی اور مجاور مور کے پروں کا مورچھل ہاتھ میں لے کر مزار کے اوپر پھیرنے لگا۔ اس نے ترچھی نظروں سے دیکھا، وہ پانچ چھ آدمی تھے۔ آگے آگے فرنچ کٹ داڑھی والا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا، جس کے دونوں کانوں میں دو ہیرے کے بٹن چمک رہے تھے۔ ان کے پیچھے ایک جوان خوبصورت لڑکا تھا، جس کے چہرے پر سرخی جھلک رہی تھی، لیکن اس کی ایک حرکت دیکھ کر خود مجاور کو ہنسی روکنا مشکل ہوگیا۔ وہ دودھ پیتے بچوں کو رونے سے چپ کرانے والی ربڑ کی چشنی (نپل) منہ میں دبائے ہوئے تھا۔ دونوں باپ بیٹے گرم پاجاموں پر سفید ململ کے انگرکھے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر سفید پگڑی نما صافے بندھے ہوئے تھے اور گلوں میں موتیوں کے ہار تھے۔ پیچھے چلنے والے تینوں خادم تھے، جو سفید انگرکھے پہنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ میں خاصدان سنبھال رکھا اور دوسرا حقہ اور اس کا پیچ تھامے ہوئے تھا۔ تیسرے کے ہاتھ میں ایک پنکھا اور جنگلی پھولوں کی ایک ٹوکری تھی۔

''آیئے سرکار، آیئے آیئے۔'' مجاور جلدی سے استقبال کیلیے آگے بڑھ آیا۔

''بھئی مجاور صاحب، یہ کن بزرگ کا مزار شریف ہے؟'' نواب صاحب نے باہر ہی جوتے اتارتے ہوئے مجاور سے پوچھا۔

''حضور، یہ پیرِ کرامات حضرت بابا سکندر خاں توپچی کا مزار ہے۔'' مجاور نے بتایا۔

''کی سبھت پہنچے ہوئے بزرگ تھے؟''

''کیا کہنا تھا، سرکار، ان کا۔ آج تک لوگ یہاں سے منہ مانگی مراد پا کر لوٹتے ہیں۔''

''اے واہ، سبحان اللہ، ابا حضور۔ تب تو ہماری مراد بھی مل جائے گی یہاں سے۔'' نواب زادے نے منہ سے چشنی نکال کر کہا اور پھر چشنی منہ میں لگا کر چوسنے لگا۔

''یہ ہمارے صاحبزادے ہیں، نواب چرخ مرزا۔'' نواب صاحب نے خود ہی نوابزادے کا تعارف کرادیا۔

''اندر تشریف لایئے، سرکار۔'' مجاور پیچھے ہٹتے ہوئے ادب سے بولا۔

''اسلام وعلیم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ یا اہل القبور۔'' نواب صاحب اندر قدم رکھتے ہوئے بولے۔

''ابا حضور، صرف ایک ہی قبر ہے، آپ جمع کا صیغہ استعمال فرمارہے ہیں؟'' نوابزادے نے چسنی منہ سے نکال کر کہا۔

''تم نہیں جانتے، جانِ پدر، حافظ زیارت علی کہتے تھے کہ قیامت کے دن ایک قبر سے ستر ستر مردے نکلیں گے۔''

''تب تو آپ ہمارا مزار ایسی جگہ بنوایئے گا جہاں آدمی کے قدم ہی نہ پہنچتے ہوں۔ ہم ۶۹ دوسروں کے ساتھ نہیں رہ سکیں گے، آپ خالی ہمارے خدمت گار کو ہمارے ساتھ دفن کرادیجیے گا۔''

''ایسی باتیں نہیں کرتے، بیٹے، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔'' نواب صاحب نے سمجھایا۔

''وہ تو ہم بھی تب ہی کا کہہ رہے ہیں جب آپ کی عمر کو پہنچیں گے۔'' نوابزادے نے معصومیت سے کہا۔ ''ابھی تو ہمارے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے ہیں۔'' نوابزادے نے کسی قدر شرما کر کہا۔

''بھئی مجاور صاحب، ہم ادھر شکار کھیلنے آئیں ہیں، بس تھوڑی دور پر ہی ہمارا پڑاؤ ہے۔''

''سنا ہے حضور صرف خرگوشوں کا شکار کرتے ہیں؟'' مجاور نے سوال کیا۔

''اے سبحان اللہ ابا حضور، یہ حضرت تو روشن خمیر نکلے۔''

Akram Allahabadi

''روشن ضمیر۔''نواب صاحب نے ٹوکا۔''اب کی بار تم غلط بولے تو تمہارے مولوی صاحب کی مالگوشی کروں گا۔''

''ضرور کیجیے گا، لبا حضور، بہت حرام خور واقع ہوئے ہیں۔ پڑھاتے ہیں کم ہیں باتیں زیادہ کرتے ہیں۔ کہہ رہے تھے میں آپ کے لبا حضور کا بھی استاد واقع ہوا ہوں۔''

''بزرگوں کے سامنے زیادہ باتیں نہیں کیا کرتے۔''

اور جواب دینے کے بجائے نواب زادہ چسنی تیز تیز چوسنے لگے۔

''مجاور صاحب، یہاں پھول کہاں سے ملتے، ہم جنگلی پھول ہی اٹھالائے ہیں۔اور یہ لیجیے پچاس روپے ہماری طرف سے صاحبِ مزار کا فاتحہ دے کر غریبوں کو کھانا کھلوا دیجیے گا۔'' نواب صاحب نے پچاس روپے انگرکھے سے نکال کے مجاور کو دیے۔

''اور دعا کیجیے گا کہ صاحب زادے کی سانس کی بیماری دور ہو جائے۔''

''ہمارے پھیپھڑوں میں سانس پھنس جاتی ہے، ملا جی...ئیں وہ یانی کہ مزار صاحب۔''

''مجاور صاحب۔''نواب صاحب نے تصحیح کردی۔

''ہم اسی لیے تو انھیں خرگوش کا شکار کھلانے لائے ہیں۔ڈاکٹروں نے مشورہ دیا ہے کہ یہ پیدل خرگوش کا شکار کریں۔''نواب صاحب نے بتایا۔

''اور یہاں ہماری جان لبوں پر آکر رہ جاتی ہے، پسینے میں شوربہ۔''نواب چرخ بولے بغیر نہ رہے۔

''شرابور۔''

''ہاں، شرابور ہو جاتے ہیں ہم۔''

''یہی تو علاج ہے تمہارا، خرگوش بہت تیز دوڑتا ہے نا، تم ابھی اتنی تیز دوڑو گے تو پھیپھڑے کھل جائیں گے۔''نواب صاحب نے بیٹے کو سمجھایا۔

Akram Allahabadi

''حضور، شام کے وقت لے آیا کیجیے صاحب زادے کو، میں مزار کے لوبان کی دھونی دے دیا کروں گا، اللہ نے چاہا تو پیر صاحب کی دعا سے بالکل اچھے ہو جائیں گے۔'' مجاور نے یہ کہہ کر نواب زادے کے سر پر مور چھل کی جھار ماری، مگر نواب زادے اس پر پھڑک اٹھے۔

''اے ملا جی، آپ کو شرم نہیں آتی ہمیں جھاڑو مارتے ہوئے؟''

''میاں، یہ تو مزار کو مور چھل ہے، برکت کی چیز ہے۔''

''ہاں ہاں، بیٹے، ایسی جھاڑو بھی قسمت والوں کو نصیب ہوتی ہے۔''

''تو ابا حضور، آپ کیوں بد قسمت رہیں، آپ بھی ایک وصول کر لیجیے۔''

نواب زادہ سنجیدگی سے بولا، اس پر مجاور نے نواب صاحب کے دونوں کندھوں پر مور چھل چھلا دیا۔

''اگر صاحب زادے بالکل تندرست ہو گئے تو ہم آپ کا منہ موتیوں سے بھر دیں گے، مجاور صاحب۔'' نواب صاحب نے کہا۔

''انشاء اللہ۔'' مجاور نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔

اس کے بعد نواب صاحب فاتحہ پڑھنے کھڑے ہو گئے اور ان کے صاحب زادے اور ملازم بھی، لیکن اچانک فاتحہ پڑھتے پڑھتے صاحب زادے کی سانس اکھڑنے لگی۔ وہ آنکھیں بند کر کے لمبی لمبی سانسیں لینے لگا تھا اور اگر ایک خادم بڑھ سنبھال نہ لیتا تو وہیں گر پڑتا۔ نواب صاحب نے جلدی سے گھبرا کر فاتحہ ختم کیا اور بیٹے پر جھک گئے۔ مجاور فوراً اندر سے پانی لے آیا۔ بہر حال کچھ دیر بعد صاحب زادے کی سانس اعتدال پر آ گئی اور انھوں نے آنکھیں کھول دیں۔

''ابا حضور، ہمیں لے چلیے، ہم آرام کریں گے۔''

''ہاں ہاں، ضرور، چلو بھئی۔ اچھا مجاور صاحب، دعا فرمایئے اور پیر صاحب سے بھی

کہیے۔''

یہ کہتے ہوئے نواب صاحب گھبرائے ہوئے سے اپنے بیٹے اور خادموں کو لے کر لوٹ گئے اور مجاور لمبی ٹھنڈی سانس بھر کر انھیں دور تک دیکھتا رہا۔

شام ہوتے ہی ایک کار کھنڈر کی جھاڑیوں میں داخل ہو کر رک گئی اور اس میں سے صرف ایک سیاہ برقع پوش عورت اتری۔ اس وقت اس ویرانے میں سوائے حشرات الارض کی مختلف آوازوں کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ وہ تیز تیز قدم رکھتی ہوئی مقبرے کی سیڑھیاں چڑھ کر اندر داخل ہو گئی۔

لیکن اندر پہنچنے پر وہ یہ دیکھ کر ٹھٹھک گئی کہ یہاں کچھ قریب کے گاؤں والے بھی آئے ہوئے تھے۔ شاید کسی لڑکی پر جن یا بھوت کا سایہ تھا اور وہ لوگ اس کو لے کر یہاں جھڑوانے پھنکوانے آئے تھے۔ برقع پوش عورت بھی مجاور کے سامنے ادب سے جھک گئی۔ وہ زیرِ لب بُدبُدا رہی تھی۔

''کوئی خطرہ تو نہیں ہے ابھی؟''

''کوئی نہیں، لیکن ایک نواب صاحب اپنے لڑکے اور نوکروں کے ساتھ کہیں قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں، لڑکا بیمار ہے، آج یہاں فاتحہ پڑھنے آئے تھے۔ باس کو خبر کر دو تا کہ انھیں بھی چیک کر لیا جائے ویسے پرلے سرے کے بیوقوف معلوم ہوتے ہیں۔''

''اچھا۔''

''مال کیوں رکا ہوا ہے؟''

''پولیس کو کچھ پتہ چل جانے کا شبہ ہو گیا تھا، لیکن غلط نکلا۔ مال کل پرسوں میں آنے ہی والا ہے، خبر کر دی جائے گی۔''

''کیا مجھے شہر جانا پڑے گا؟''

''بالکل نہیں، باس کا آرڈر ہے تم ابھی اسی مقام کو ذرا دیر کیلیے بھی نہیں چھوڑو گے۔

تمہاری ضرورت کی چیزیں پہنچتی رہا کریں گی۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگی اور مجاور نے اس کے سر پر بھی مور چھل پھیر دیا۔ وہ مزار کا ایک طواف کر کے سلام کرتی ہوئی باہر نکل گئی اور پھر ایک کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز نے فضا میں خفیف سا شور پھیلا دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مہمان

سہ پہر کا وقت تھا اور چھوٹے نواب چرخ مرزا ابھی ایک خرگوش کا ناکام تعاقب کر کے تھکے ہوئے کتے کی طرح ہانپتے ہوئے آ کے بیٹھے تھے کہ باہر ایک کار کے رکنے کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔ انھوں نے خیمے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ ایک جیپ کار تھی جس میں سے دو آدمی اتر رہے تھے۔ نواب صاحب ان میں سے ایک کو دیکھتے ہی بری طرح چونک پڑے۔

''میرے اندازے مجھے بہت کم دھوکا دیتے ہیں۔'' وہ بڑبڑائے۔

''کیا فرمایا، ابا حضور؟''

''تمہارا سر۔ چلو باہر مہمانوں کا استقبال کریں۔''

''میری چسنی، بابا مونچھ، میری چسنی؟''

''صاحب زادے، آپ کے گلے میں ہی پڑی ہوئی ہے۔'' بڑی مونچھوں والے ملازم نے قریب آ کر کہا۔

''حضور، کوئی دو مہمان آئے ہوئے ہیں باہر۔'' تیسرا ملازم دروازے کا پردہ اٹھا کر اندر آتے ہوئے بولا۔ نواب مع شہزادہ چرخ کے باہر نکل آئے۔ اس وقت وہ سنہری فریم کی عینک لگائے ہوئے تھے۔ نواب زادہ چرخ کے منہ میں چسنی لگی ہوئی تھی، لیکن نہ جانے کیوں انھیں مہمانوں کو دیکھ کر شرم آ گئی اور انھوں نے گھبرا کر چسنی منہ سے نکال کر ہاتھ میں لے لی۔

''معاف کیجیے گا، ذرہ ہماری کار خراب ہوگئی ہے۔'' کار سے اترنے والا قد آور آدمی بولا۔ وہ اس وقت فوجی افسروں سے ملتا جلتا خاکی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کا ساتھی البتہ سادہ لباس میں تھا۔ وہ ایک کافی پرکشش اور خوبصورت نوجوان تھا۔

''ابا حضور، یہ شہزادہ بدیع الزماں تو نہیں ہے، الف لیلیٰ والا؟'' نواب زادے نے

بڑے غور سے اس نوجوان آدمی کو جو آدمی سے زیادہ ۱۹۔۲۰ سال لڑکا معلوم ہوتا تھا، دیکھتے ہوئے باپ سے کہا۔

''چپ رہو، تم بہت بیوقوف ہوتے جا رہے ہو۔'' نواب صاحب نے مہمانوں کو خیمے میں چلنے کی پیشکش کی۔ وہ سب خیمے میں داخل ہو گئے۔ خیمے میں اندر دو فولڈنگ بیڈ اور تین چار فولڈنگ آرام کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ نواب کی پیشکش پر وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''میرے ابا حضور مانس پور کے نواب حیدر علی مرزا ہیں اور میں ان کا شہزادہ۔''

''نواب زادے، ہم بادشاہ نہیں ہیں، بیٹے، صرف نواب ہیں۔'' نواب صاحب نے صاحب زادے کو ٹوک دیا۔ ''چرخ مرزا۔''

''اور میں محکمہ ایکسائز کا ڈپٹی کمشنر ہوں، میرا نام رانا ڈے ہے۔''

''بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔'' نواب صاحب نے کہا۔ ''اور آپ...؟'' ان کا اشارہ ڈپٹی کمشنر کے ساتھی کی طرف تھا۔

''اوہ، یہ میرے پرسنل سکریٹری ہیں، مسٹر جادھو۔''

''آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔'' نواب زادے نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''شکریہ۔'' جادھو نے گنگناتی سی آواز میں کہا۔

''آہ... یہ آپ کی مردانی آواز کو کیا ہوا؟'' نواب زادے نے بیوقوفوں کی طرح سوال کیا۔

''اوہ، ان کی آواز ہی اتفاق سے ایسی ہے، اکثر لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔''

''ابا حضور، وہ ایک فلم ڈائریکٹر بھی تو آیا تھا ہمارے یہاں شوٹنگ کرنے، اس کی آواز بھی ایسی ہی تھی، اور وہ بھی مرد تھا۔'' نواب زادے نے جلدی سے تائید کر دی۔

''کیا بیوقوفی کی باتیں لے بیٹھے تم، مہمانوں سے اس طرح نہیں پیش آیا کرتے۔''

Akram Allahabadi

''بابا، میری چسنی۔'' نواب زادہ پلٹ کر چیخا۔

''حضور، آپ کے گلے میں پڑی ہے۔'' بڑی مونچھوں والے ملازم نے جلدی سے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' ڈپٹی کمشنر نے اس کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے نواب صاحب سے پوچھا۔

''یہ ایک ڈاکٹر کی تجویز ہے۔ دراصل انھیں سانس رکنے کا مرض ہے۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ ہر وقت چسنی چوسنے رہنے سے حلق خشک نہیں ہو پاتا، اور نہ جانے کیا بتایا تھا اس نے۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی علاج بتایا ہے، یعنی کہ خرگوش کا شکار پیدل دوڑ کر کریں تا کہ خوب پسینہ آئے اور پھیپھڑے تیز حرکت کریں۔'' نواب صاحب نے بتایا۔

''ممکن ہے کوئی ایسا بھی طریقِ علاج ہوتا ہو۔'' رانا ڈے سنجیدگی سے بولا۔

''ہوتا ہو؟ ارے صاحب، نہ جانے کتنے ڈاکٹروں سے مایوس ہونے کے بعد اس ڈاکٹر کا علاج شروع کیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس سے فائدہ ہو رہا ہے۔ پہلے دن میں دو دو بار دورے پڑتے تھے، مگر اب ایک بار یا دو دن میں ایک بار پڑنے لگے ہیں۔'' نواب صاحب نے کہا۔

''شاید منیچر کیور کا عمل ہوگا۔'' رانا ڈاے نے رائے ظاہر کی۔

''آپ لوگ بھی شکار کیلیے نکلے ہیں کیا؟''

''جی ہاں، لیکن ہمارا شکار ذرا مختلف ہے۔ ہم کو دراصل ایک ایسے گروہ کی خبر ملی ہے جو منشیات کی اسمگلنگ کرتا ہے اور پتا چلا ہے کہ وہ لوگ اسی علاقے میں کہیں روپوش ہیں۔''

''ہمیں تو کوئی ناجائز گروہ نہیں دکھائی دیا۔'' نواب نے سادگی سے کہا۔

''ممکن ہے آپ انھیں سمجھ ہی نہ سکے ہوں، یہ تو صرف ہم لوگ ہی جانتے ہیں۔''

''یہ اسمگلنگ کیا ہوتی ہے، ابا حضور؟'' نواب ذادے نے پرشوق لہجے میں پوچھا۔

''بھئی، یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔'' نواب صاحب نے دونوں ہاتھ جھٹک کر کہا۔

Akram Allahabadi

''غیر قانونی طور پر مال ادھر سے ادھر کرنے کو کہتے ہیں۔''

''نہیں سمجھا۔'' نواب زادے نے دوبارہ استفہامیہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''ہمارے سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے، ہوگا کچھ سرکاری معاملہ۔'' نواب صاحب نے اپنے بیٹے کو ٹوک دیا۔

''رنڈوے صاحب۔'' نواب زادہ معصومیت سے ڈپٹی کمشنر سے مخاطب ہوا۔

''راناڈے، پلیز۔'' اس نے خود ہی تصحیح کر دی۔

''ارے تو آپ بھی کوئی رانا ہیں۔'' نواب صاحب نے رانا کے لفظ پر چونک کر کہا۔

''بھئی خوب، یعنی کہ آپ بھی شاہی خاندان سے نکلے۔''

''جی نہیں، میرا پورا نام ہی راناڈے ہے۔'' کمشنر نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''سبحان اللہ، سبحان اللہ، اچھا نام ہے۔'' نواب صاحب جھینپ کر بولے۔

''میں بھی یہیں کہیں کیمپ کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہاں سے ان لوگوں کی تلاش کر سکوں۔'' راناڈے نے بات کا رخ پلٹتے ہوئے کہا۔

''واللہ، یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ارے صاحب، ابھی دو چار دن تو ہمارا ہی تنبو یہاں لگا ہوا ہے، یہیں ٹھہریے نا۔ تکلف کی کیا ضرورت ہے۔'' نواب صاحب نے خود پیشکش کی۔

''نہیں، آپ لوگوں کو مفت میں تکلیف ہوگی۔''

''کس بات کی تکلیف، لیجیے ہم ابھی آپ لوگوں کیلیے ایک اور چھولداری لگوائے دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر نواب صاحب نے تالی بجائی اور بڑی مونچھوں والا خادم آ گیا۔

''صاحب لوگوں کیلیے ایک چھولداری لگوا دو، اور دیکھو یہ ہمارے مہمان ہیں، انھیں کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔''

''بہت اچھا سرکار۔'' خادم نے سر جھکا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

رات کو وہ کھانے پر ایک ہی خیمے میں جمع ہوئے اور نواب صاحب اپنی جوانی کے واقعات، شکارگاہ کے کارنامے وغیرہ انھیں سناتے رہے۔ کھانے کے بعد رسمی تکلف کے اظہار کے ساتھ وہ منتشر ہو گئے۔ رانا ڈے اور جادھو اپنے خیمے میں چلے گئے اور نواب صاحب اور ان کے برخوردار اپنے خیمے میں۔ کیمپ سناٹے میں کھو گیا، صرف آس پاس کے جنگلوں کے جانوروں کی آواز اور خیموں سے سونے والوں کے خراٹے سنائی دیتے تھے۔

جب رات کا سناٹا اور گہرا ہو گیا تو نئی چھولداری سے ایک انسانی سایہ نکلا اور آہستہ آہستہ پیچھے کھڑی ہوئی جیپ کار کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ اس میں سوار ہو گیا اور بغیر آواز کیے جیپ آہستہ آہستہ آگے کی طرف رینگنے لگی۔ کیمپ پر بدستور سناٹا مسلط رہا اور خراٹے گونجتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

یونانی عشق

سویرے وہ ناشتے کیلیے پھر ایک ہی خیمے میں جمع ہو گئے۔

''کہیے، رات تو آرام سے گزری؟'' نواب صاحب نے رانا ڈے سے پوچھا۔

''جی ہاں، صرف مچھروں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔''

''ارے تو کیا ان کمبختوں نے مچھر دانیاں نہیں لگائی تھیں آپ کے خیموں میں؟''

''کوئی بات نہیں، ہم لوگ زیادہ تکلف کے عادی بھی نہیں ہیں۔''

''اور کل دس شریف آدمیوں میں بیٹھ کر اگر آپ نے کہہ دیا کہ نواب مانس پوری کی مہمانی میں مچھر دانی کے بغیر سونا پڑا تو؟''

''اطمینان رکھیے، ہم ایسے احسان فراموش نہیں ہیں۔''

''آپ لوگ تو شرمندہ کر رہے ہیں۔''

''خیر، مجھے کچھ ضروری کام سے شہر جانا پڑے گا، ویسے میرے یہ اسسٹنٹ یہاں رہیں گے، میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔''

''جلدی آیئے گا، آپ لوگ آ گئے ہیں تو اس ویرانے میں بھی دل لگنے لگا ہے۔'' نواب صاحب نے تکلف کیا۔

رانا ڈے کے چلے جانے کے بعد جادھو خیمے میں اکیلا ہی تھا کہ نواب چرخ مرزا آ پہنچے، وہ نیل چوس رہے تھے۔

''چہ خوب، آپ یہاں اکیلے ہی بیٹھے ہیں۔'' انھوں نے اندر داخل ہوتے ہوئے منہ سے نیل نکال کر کہا۔

''آیئے آیئے۔'' جادھو نے اخلاقاً خیر مقدم کیا۔

Akram Allahabadi

''نہ جانے کیوں بس آپ کے پاس آ پہنچنے کو جی چاہتا تھا۔ یہ ابا حضور تو مجھے ذرا اچھے نہیں لگتے۔ موت کے فرشتے کی طرح ہر وقت سر پر رہتے ہیں۔ یہ مت کرو، وہ مت کھاؤ، ادھ مت جاؤ، ادھر مت گھومو۔ کیا میں کوئی ننھا سا بچہ ہوں کوئی؟'' نواب زادہ قریب ہی کرسی پر بیٹھ کر بڑبڑایا۔

''نواب زادوں کا لاڈ ایسا ہی ہوتا ہے، یور ہائی نس۔''

''نانا، ہائی نس وائی نس نہیں، یہ سنتے سنتے تو ہمارے کان پک گئے ہیں۔ ہمیں تو دوست چاہیے، اور وہ بھی تم جیسا خوبصورت دوست۔'' نواب زادے نے ترسی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔؛ اور اس جملے پر جادھو کچھ گھبرا سا گیا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے پھوٹ آئے۔

''اللہ قسم، تم لڑکی ہوتے تو ہم تو تم پر ہزار بار عاشق ہو گئے ہوتے۔''

''ذرہ نوازی ہے حضور کی۔''

''لو، اس میں ذرہ نوازی کا ہے کی لڑکیوں پر تو عاشق ہوا ہی جاتا ہے۔''

''تو میں کوئی لڑکی ہوں کیا؟''

''ہم تمہاری بات کہاں کر رہے ہیں، ہم تو اپنی بدنصیبی کا ماتم کر رہے ہیں کہ تم لڑکی نہ ہوئے، ہوتے تو کتنے خوبصورت ہوتے، جیسے گیندے کا پھول۔''

''آپ کے ابا حضور تو کہہ رہے تھے کہ آپ ابھی ناسمجھ ہیں، پھر یہ باتیں تو...''

''ہمارے ابا حضور خود بیوقوف ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات تھی۔ ویسے آج کل تو آدمی پیدا ہوتے ہی عشق کرنے لگتا ہے۔''

''سرکار، آپ کو بڑے سرکار یاد فرماتے ہیں۔'' اچانک بڑی مونچھوں والا اندر داخل ہو کر بولا۔

''دیکھا، اسے کہتے ہیں مداخلت بیجا، یعنی کہ عین وقت پر ٹوکنا۔''

Akram Allahabadi

''حضور۔''مونچھوں والے نے اس ٹوک دیا۔

''ہم کوئی شعر نہیں کہنے جا رہے تھے۔ ویسے مسٹر جادھو، ہمارے یہ خاں صاحب شاعر بھی واقع ہوئے ہیں اور پیدائشی شاعر ہیں۔ابا حضور کہتے ہیں کہ یہ شعر کہتے ہوئے ہی پیدا ہوئے تھے۔''

''بڑے سرکار ناراض ہو جائیں گے،حضور۔''خادم نے پھر یاد دلایا۔

''اچ... چھا... مسٹر جادھو، پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔''

جادھو ہنس کر خاموش ہو رہا۔

☆☆☆☆☆☆

نواب زادے کو دوپہر تک خرگوش کے شکار کیلیے پیدل دوڑنا ہی پڑا۔ دو نوکر پیچھے لگے ہوئے تھے۔ دوپہر کے کھانے پر نواب صاحب نے رانا ڈاے کو بہت یاد کیا، لیکن رانا ڈے تین بجے واپس لوٹا۔اس نے نواب صاحب سے مصروفیت کی بنا پر معذرت کرتے ہوئے اس وقت جادھو کو کسی کام سے باہر بھیج دیا۔اور جادھو دیر بعد واپس آیا۔ سہ پہر کو نواب صاحب صاحب زادے کو لے کر مقبرے جا پہنچے اور مجاور کی دو چار جھاڑویں کھلوا کر واپس لے آئے۔ پھر شام اور پھر رات ہو گئی۔

کھانے کے بعد کچھ دیر نواب صاحب کے لطائف ہوتے رہے اور اس کے بعد وہ اپنے اپنے خیموں میں سونے چلے گئے اور کیمپ پر بھرپور سناٹا مسلط ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پھر تابوت

آج ہوا کے تیز جھکڑ چل رہے تھے اور رات معمول سے زیادہ سیاہ تھی۔ مقبرے کے گرد پھیلا ہوا کھنڈر بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور اس سناٹے میں دور کہیں سیاروں کی ''ہوں ہاں'' سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سارا ویرانہ سویا ہوا ہے۔ اچانک اس پر ہول سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک اسٹیشن ویگن اس کھنڈر میں داخل ہوئی اور مقبرے کے باہر رکی۔ اس کی اسپاٹ لائٹ فوراً آف کر دی گئی اور اس کا رخ مقبرے کے دروازے کی طرف کرتے ہوئے روشنی کو تین بار جنبش دیتے ہی مقبرے کے اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ پھر کوئی لالٹین ہاتھ میں لیے ہوئے باہر نکل آیا۔

''کیا لے آئے؟'' اندر سے نکلنے والے ادھیڑ عمر مجاور نے پوچھا۔

''ہُم۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

اسٹیشن ویگن سے ایک اور آدمی اتر کر پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ گاڑی کا پچھلا حصہ کھول دیا گیا اور مجاور اور ان دونوں نے مل کر گاڑی کے پچھلے حصے سے اس تابوت کو اتارا جو اس میں رکھ کر لایا گیا تھا۔ تابوت کو اندر لے جا کر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد ان میں سے دو اس پرانی قبر کو کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ اس کام میں زیادہ دیر نہیں لگی اور تقریباً پندرہ منٹ میں ہی اس کے پٹے نکال کر تابوت کو اس میں اتار دیا گیا اور قبر دوبارہ حسبِ سابق بند کر دی گئی۔

''باس کا آرڈر ہے کہ دوسرا حکم ملنے تک یہیں انتظار کیا جائے۔'' مجاور نے انھیں بتایا۔ اور وہ گاڑی کو آگے بڑھا کر جھاڑیوں کی آڑ میں کھڑا کر کے وہیں آ بیٹھے۔ اور مجاور نے پتھریلا دروازہ بھیڑ دیا۔

تقریباً تین گھنٹے انھیں خاموشی سے وہاں نئے آرڈر کا انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد

Akram Allahabadi

اچانک باہر کسی کے قدموں کی چاپ سن کر مجاور کے کان کھڑے ہو گئے۔ باہر کسی نے دستک دی اور مجاور نے پتھر کی جالی سے جھانکنے کے بعد پتھریلا پٹ کھول دیا۔ باہر سیاہ برقعے میں وہی عورت کھڑی تھی۔

''باس کا آرڈر ہے کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے، تابوت کو اسی اسٹیشن ویگن میں رکھ دیا جائے۔'' عورت نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''اچھا۔'' مجاور یہ کہہ کر لوٹا اور اس نے باس کا حکم ان آدمیوں کے سامنے دہرایا۔ وہ فوراً ہی قبر کو دوبارہ کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ تابوت کو قبر سے نکال کر باہر لے جا کر ٹرک میں سوار کر دیا گیا، لیکن اس بار کوئی پہلے سے اگلی سیٹ پر اسٹیرنگ پر بیٹھا ہوا تھا۔ تاریکی میں صرف اس کا سایہ ہی دیکھا جا سکتا تھا۔

سیاہ پوش عورت اگلی نشست پر اس نامعلوم آدمی کے پاس جا بیٹھی اور ٹرک وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کے باڑھ سے باہر نکلتے ہی ان آدمیوں میں سے ایک نے جیب سے ریوالور نکال کر مجاور کے سینے پر رکھ دیا۔

''ابراہیم، ہتھکڑی ڈالدو اس بدمعاش کے۔''

''ارے مگر ڈیوس...'' مجاور نے کہنا چاہا۔

''ڈیوس کل سے حوالات کی ہوا کھا رہا ہے، بیٹے، اور اب تمہاری باری ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے اسے دوسرے ساتھی کی طرف دھکیل دیا، جس نے فوراً ہی اسے ہتھکڑی لگا دی۔ کھنڈر کے دوسری طرف ایک دوسری جیپ کار پہلے سے موجود تھی، مجاور کو اس میں بٹھا دیا گیا۔ ڈیوس کے لباس میں اس وقت انسپکٹر ڈیسوزا موجود تھا۔

''کیا تم یہاں اکیلے ہی تھے؟'' ڈیسوزا نے مجاور سے پوچھا، لیکن مجاور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''تم اس کی نگرانی کرو، ابراہیم، میں ایک بار اور دیکھے لیتا ہوں اس مقام کو۔''

Akram Allahabadi

ڈیسوزا یہ کہہ کر ریوالور سنبھالے ہوئے پھر مقبرے کی طرف چلا گیا اور کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو ایک جھومتے ہوئے آدمی کو اس کے کالر سے تھامے دھکیلتا لا رہا تھا۔ وہ آدمی شاید شراب کے نشے میں عقل و ہوش سے گزر چکا تھا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"کون بانس؟ ہچ... کائے کا بانس... ہم بانس تم بانس... ہچ... ارے لو.. سیدھے چلو نا، ڈھومتے خائے کو ہو... ہچ... تم نے بھی پی لی ہے کیا؟ ہچ... ہائے، کم وخت تو نے پی ہی کہاں... پی ہی کہاں... پی کہاں... ہچ... پی... کا... ہاں... بول پپیہے پی او پی او بول... ہچ... نئیں بولتا... جا سالے نئیں بولتا تو... ہچ... میں بولوں گا..." اور جیپ کار میں ڈیسوزا نے اسے دھکیلا تو وہ بڑبڑا کر مجاور سے ہی لپٹ گیا۔

"یہ کہاں تھا، صاحب؟" ابراہیم نے پوچھا۔

"مقبرے کے اندرونی حصے میں ایک حجرہ ہے، جس میں شاید یہ مجاور رہتا ہوگا، وہیں نشے میں بدمست پڑا ہوا تھا کمبخت۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اسٹیرنگ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

اسٹیشن ویگن جب شہر میں داخل ہوئی تو رات کے ڈھائی بج رہے تھے اور اتفاق سے اس وقت یہاں کوئی گشتی پولیس کی گاڑی بھی نہ تھی۔ وہ برق رفتاری سے مین روڈ پر ہوتی ہوئی مل ایریا والی سڑک پر گھوم گئی۔ یہاں راتوں کو بھی اکثر ملوں کی گاڑیاں اور ٹرک چلا کرتے تھے۔ اس لیے اس طرف کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

اس راستے سے ہوتی ہوئی ایک دوسری سڑک عبور کر کے وہ ونسنٹ اسکوائر پر نکل آئی، لیکن یہ بھی اتفاق تھا کہ یہاں اسے ایک گشتی پولیس کار نے روک لیا۔ اس وقت کی آمد و رفت اور اس علاقے میں کسی قدر مشتبہ ضرور ہوسکتی تھی، مگر جب پولیس آفیسر نارچ ہاتھ میں لیے

Akram Allahabadi

اسٹیشن ویگن کے قریب پہنچا تو آپ اس کا ہاتھ سلیوٹ کیلیے اٹھ گیا۔

''کیا بات ہے؟'' اندر بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا۔

''سر، ذرا آج کل چیکنگ ہو رہی ہے۔''

''میں بھی تو اسی لیے نکلا ہوں۔''

''او کے سر، تھینک یو سر۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر پیچھے ہٹ گیا اور زیادہ بات یوں بھی نہ کر سکا کہ اس آدمی کے ساتھ ہی آگے ایک خوبصورت جوان لڑکی بھی بیٹھی ہوئی تھی، ممکن ہے چیکنگ کے علاوہ کوئی تفریحی پروگرام بھی رہا ہو ان کا۔

اسٹیشن ویگن اب آہستہ آہستہ سڑک پر رینگ رہی تھی اور جب پولیس کار سڑک سے گھوم کر دوسری طرف نکل گئی تو اسٹیشن ویگن کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

زیرِ تعاقب

وہ گاڑی کا مابلڈنگ کے دروازے پر جھٹکے سے رک گئی اور اس کے رکتے ہی اندر سے وہ عورت نکل کر کا مابلڈنگ میں داخل ہو گئی۔ گاڑی پھر چل پڑی۔ اس کے چلے جانے کے تقریباً دس منٹ بعد ہی وہ عورت اس عمارت سے نکلی اور اس بار اس کے ساتھ چھ آدمی تھے۔ کچھ دور تک وہ پیدل چلنے کے بعد آگے ایک گلی میں گھوم گئے۔ یہاں پہلے سے دو لمبی کاریں کھڑی ہوئی تھیں، جن میں سوار ہو کر وہ اس راستے پر چل پڑے جدھر اسٹیشن ویگن گئی تھی۔

مختلف سڑکوں سے گزرتے ہوئے ان کی کاریں اس بدنام علاقے میں داخل ہو گئیں جہاں قدم رکھتے ہوئے شرفاء کی روح فنا ہوتی تھی۔ گندی گلیوں پر مشتمل یہ علاقہ چھوٹے چھوٹے شراب خانوں اور غیر قانونی خفیہ جوئے خانوں کا مخزن تھا۔ پولیس بارہا یہاں چھاپے مار چکی تھی، لیکن ہر بار دو چار آدمیوں کی گرفتاری کے سوا کچھ نہ ہو پاتا۔ وہ لوگ اپنا ایک اڈہ چھوڑ کر دوسرا قائم کر لیتے ہیں۔

یہاں انھیں ایک گلی میں وہ اسٹیشن ویگن کھڑی نظر آ گئی۔

''بس یہیں روک دو۔'' وہ لڑکی جس کا چہرہ اس وقت سرکاری کیمپ کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا، دوسرے ساتھیوں سے بولی۔ وہ جوڈی تھی۔ اگلی کار کے رکنے کے ساتھ پچھلی کار بھی رک گئی اور وہ گاڑی سے اتر کر جوڈی کے پیچھے اس ایک منزلہ گندے سے مکان میں داخل ہو گئے جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر تاریکی تھی۔

''کون ہے؟'' اندر سے کسی نے گرج کر پوچھا۔

''ساتھی۔'' جوڈی نے جواب دے دیا اور اندر سے ایک انسانی سائے نے ابھر کر انھیں داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔ ''ادھر چلے جاؤ بڑے کمرے میں۔''

Akram Allahabadi

وہ جب اس لمبے چوڑے، مگر ادھڑے ہوئے پلاستر والی دیواروں کے کمرے میں داخل ہوئے تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ تابوت یہاں درمیان میں ایک پرانی سی میز پر رکھا ہوا تھا۔

''مجھے یقین تھا کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔'' ڈرگ اسٹور کے مالک نے تابوت کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے کہا۔ کمرے میں ان کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

''پھر اب دیر کس بات کی ہے؟'' رسیک لال جوڈی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس بار اپنا وعدہ پورا کرنے کیلیے باس کو بہت رسک لینا پڑا ہے، اس لیے اس مال پر تم لوگوں کو پچاس فیصدی زیادہ رقم دینی ہوگی، کیا لائے ہو؟''

''یہ تو بزنس کے خلاف بات ہے۔'' رسیک لال نے کسی قدر بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

''زائد رقم لائے ہو یا نہیں؟'' جوڈی نے پیر پٹک کر غصے سے کہا۔

''نہیں۔ میں اب ایک کوڑی بھی زیادہ نہیں دوں گا۔ رسک صرف تمہارا باس ہی نہیں لیتا، ہم بھی لیتے ہیں۔'' رسیک لال اور بھڑک اٹھا۔ دوسرے خاموش تھے، جس کا مطلب تھا کہ وہ بھی اگر اس کی تائید نہیں کر رہے ہیں تو مخالف بھی نہیں ہیں۔

''تو تمہیں مال نہیں ملے گا۔'' جوڈی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''وہاٹ؟'' رسیک لال حلق کے بل چیخا۔ ''میں ڈر جانے والوں میں سے نہیں ہوں، میں نے تین لاکھ بیس ہزار دیے ہیں، اگر میرے ساتھ گڑبڑ کی گئی تو میں سب کا بیڑہ غرق کردوں گا۔'' اس نے میز پر گھونسہ مار کر کہا۔ لیکن اسے آگے بولنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ بائیں سمت سے ٹھیک اسی وقت جب اس کا گھونسہ میز پر پڑا ایک فائر ہوا اور رسیک لال وہیں میز پر اوندھا ہوگیا۔ وہ سب حیرت سے پلٹ پڑے۔ ان کے پیچھے سفید رومال چہرے پر لپیٹے ایک قد آور آدمی کھڑا تھا، جس کے بدن پر چمڑے کا جیکٹ اور خاکی برجیس تھی۔ وہ آگے کی طرف

جھکا ہوا فلیٹ ہیٹ بھی پہنے تھا۔

''باس۔'' جوڈی کے حلق سے آواز نکلی اور پال بھی فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

ڈر و تھی یہاں نہ تھی۔ وہ سب ہکا بکا رہ گئے۔ اب سے پہلے انھوں نے اس نامعلوم شخص کو کبھی نہیں دیکھا تھا اور اس وقت ان پر اس کا ایسا رعب غالب آیا کہ کوئی کچھ بول نہ سکا۔

''کسی اور کو اعتراض ہے کچھ؟'' وہ گرجا۔

لیکن کوئی کچھ نہ بولا، بلکہ انھوں نے خاموشی سے جیبوں سے نوٹوں کے بنڈل نکال کر میز پر رکھ دیے۔

''جوڈی، پال، ان کا مال انھیں تقسیم کر دو اور رسیک لال کا حصہ بھی ان میں ہی بانٹ دو، بعد میں حساب ہو جائے گا۔'' اس نے حکم دیا اور ساتھ ہی جوڈی نے اپنی کلائی کی چین سے چابی نکال کر تابوت کا قفل کھولا اور پال نے اس کا ڈھکن اٹھا دیا۔ لیکن وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس میں ایک نوجوان آدمی لیٹا ہوا تھا جو فوراً ہی اٹھ بیٹھا۔ اس کی شکل پر حماقت برس رہی تھی۔ وہ سفید انگرکھا پہنے تھا اور اس کے منہ میں چسنی لگی ہوئی تھی۔ اس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ کر چسنی باہر نکال لی اور گھبرا کر بولا۔ ''سلام علیکم۔'' پھر اس کی نظر جوڈی پر پڑ گئی۔

''ارے واہ، تم تو سچ مچ لڑکی بن گئیں، اللہ بڑا کارساز ہے۔'' یہ کہتا ہوا وہ باہر نکل آیا۔ جوڈی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی اور دوسرے تو بوکھلاہٹ میں اپنی نشستیں چھوڑنے لگے۔

''مگر کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں، مسٹر جادھو، سچ سچ بتا دو نا۔ میرا دل اس وقت تم پر قربان ہونے کو بیقرار ہے۔'' وہ یہ کہتا ہوا میز سے کود کر دونوں ہاتھ پھیلائے جوڈی کی طرف بڑھنے لگا۔

''باس۔'' وہ چیخی۔

''بانس؟ بانس کی کیا ضرورت ہے، مائی ڈارلنگ، ہمیں بتاؤ نا۔ ہم تمہاری خوشی کی

خاطر بانس کے جنگل اگوا دیں گے اپنی ریاست میں۔''

''جوڈی، تم ہٹ جاؤ، ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔'' جوڈی کو اس کے باس کی آواز سنائی دی۔ دوسرے تذبذب کے عالم میں کچھ بول نہ سکے۔

''دھوکے باز تم خود ہو، مسٹر رنڈوے، ہماری منظورِ نظر کو تم نے خواہ مخواہ ارسطو کا فلسفہ بنا رکھا تھا، حالانکہ ہم یونانی شہزادہ نہیں ہیں۔''

''شٹ اپ۔'' ان کا باس گرجا، پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

''خبردار، ذرا بھی جنبش کی تو گولی سینے کے پار ہوگی۔''

''ارے، گولی کیوں مارتے ہو، یہاں تو پہلے ہی کسی کا تیرِ نظر جگر پھیپھڑوں کے پار ہو چکا، کیوں جوڈی ڈارلنگ؟'' وہ وہیں رک کر بولا۔

''کون ہو تم؟'' باس قسم کے آدمی نے نواب زادے کے سینے کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔

''سبحان اللہ، کیا معصومیت ہے، ارے ہم شہزادۂ چرخ ہیں۔''

''بکو مت، ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''ہائے پھر وہی ہتو مارو نا کمبخت، ہم تو پہلے ہی عشق و محبت وغیرہ کے مارے ہوئے ہیں۔ نہ ہم مسٹر جادھو پر عاشق ہوتے نہ یہاں تک پہنچتے ہی اپنی بے عزتی کراتے۔''

''یہ کیا معاملہ ہے، جوڈی؟'' وہ جوڈی سے بگڑ کر پوچھنے لگا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں، باس، یہ ضرور کوئی فراڈ ہے۔'' وہ چیخی۔

''فراڈ نہیں، جادھو ڈارلنگ، ہم مجنوں بھی نہیں ہیں، ہم تو تمہارے وہ ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے نواب زادہ خود ہی شرما گیا۔

اس پر اس باس نما آدمی نے بے تحاشا اس پر فائر جھونک دیا۔ وہ بندر جیسی پھرتی سے اچھل کر میز پر چڑھ گیا اور نشانہ خالی گیا۔

''واللہ عجیب بدتمیز آدمی ہیں آپ، یہ بھی کوئی مہمان نوازی ہوئی۔''

''اسے پکڑلو، جانے نہ پائے۔'' وہ چیخا۔ اور پال نواب زادے پر جھپٹ پڑا۔

''ارے تم کیوں تکلیف کرتے ہو، میری جان۔'' یہ کہہ کر اس نے اچھل کر اس زور کی لات پال کے سینے پر ماری کہ وہ دور جا گرا، لیکن اس حماقت میں اس سے یہ چوک ہوگئی کہ وہ جوڈی کی طرف سے غافل ہوگیا۔ جوڈی نے پیچھے سے اس پر ایک کرسی کھینچ ماری اور وہ لڑکھڑا کر گرا ہی تھا کہ وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔ اسے انھوں نے جکڑ لیا۔ ان کا باس اب قریب آگیا۔

''کون ہو تم؟'' اس نے خوفناک سے لہجے میں پوچھا۔

''جوڈی ڈارلنگ۔'' نواب زادے نے بے بسی سے جوڈی کو آواز دی۔

''ڈارلنگ کے بچے۔'' جوڈی نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔

''ہائے ماں بن بیٹھیں تم، میں تو کچھ اور... ارے میرے چسنی، کوئی چسنی لاؤ نا میری۔'' وہ چیخنے لگا۔

''یہ بکواس اب نہیں چلے گی، نواب زادے، میں صرف دس سیکنڈ دیتا ہوں تمہیں۔ تم کون ہو اور مال کہاں گیا؟ سچ سچ بتا دو، ورنہ رسیک لال کی طرح تمہاری لاش بھی یہاں تڑپتی نظر آئے گی۔''

''میں افلاطون حلوہ ہوں، آپ کو کوئی اعتراض ہے۔'' نواب زادہ منہ بنا کر بولا۔

لیکن جواب دینے کی بجائے ان کا باس پستول سے اس کے سینے کا نشانہ لے کر ایک سے دس تک گنتی گننے لگا۔ آٹھ پر پہنچ کر وہ رکا اور پھر اس نے اسے آخری بار تنبیہہ کی۔

''اب بھی بتا دو، مال کہاں ہے اور...''

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi